انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں

ایمان کے ڈاکو

○

حضرت مولانا ابوالقاسم محمد رفیق دلاوریؒ

فہرست

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ	۸۳
۲	مقدمہ	۸۴
۳	اسود عنسی مدعی نبوت	۸۶
۴	مسیلمہ کذاب	۸۷
۵	مختار بن ابو عبید ثقفی	۹۱
۶	حارث کذاب دمشقی	۹۸
۷	مغیرہ بن سعید عجلی	۱۰۲
۸	بیان بن سمعان تمیمی	۱۰۳
۹	ابو منصور عجلی	۱۰۳
۱۰	بہافرید نیشاپوری	۱۰۴
۱۱	اسحاق اخرس مغربی	۱۰۵
۱۲	استادسیس خراسانی	۱۰۹
۱۳	حکیم مقنع خراسانی	۱۱۰
۱۴	بابک خرمی	۱۱۵
۱۵	علی بن محمد ازاراقی	۱۲۵
۱۶	حسین بن زکرویہ قرمطی	۱۳۸
۱۷	علی بن فضل یمنی	۱۴۰
۱۸	محمد بن علی شلغمانی	۱۴۲
۱۹	عبدالعزیز باسندی	۱۴۷
۲۰	سید محمد جونپوری	۱۴۸
۲۱	حاجی محمد خراسانی	۱۶۱
۲۲	بایزید جالندھری	۱۶۶
۲۳	احمد ابن عبداللہ	۱۷۰
۲۴	مرزا علی محمد باب شیرازی	۱۷۳
۲۵	ملا محمد علی بارفروشی	۱۷۷
۲۶	زریں تاج معروف بہ قرۃ العین	۱۷۹
۲۷	مرزا حسین علی نوری معروف بہ بہاء اللہ	۱۸۱
۲۸	خاتمہ	۱۸۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تقدس کے جھوٹے دعویدار دو قسم کے لوگ گذرے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے الوہیت، نبوت، مسیحیت یا مہدویت وغیرہ قسم کا کوئی دعویٰ کیا اور جلد یا بدیر فرمانروایان اسلام کی گرفت میں آ کر اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ دوسرے وہ جنہوں نے کسی ایسی سرزمین میں اپنے دجل کا جال پھیلایا جو اسلامی فرمانرواؤں کی دسترس سے باہر تھی۔

اس کتاب میں صرف ان لوگوں کے حالات زندگی معرض تسوید میں آئے ہیں جنہوں نے کسی اسلامی سلطنت میں دام تزویر بچھا کر خلق خدا کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالا اور اسلامی حکومتوں نے ان کے ناپاک وجود کو اپنی تیغ سیاست سے مستاصل کر کے انہیں زندگی کی رسوائی سے نجات بخشی۔

غلام احمد قادیانی کا تعلق موخر الذکر جماعت سے ہے اس لئے اس کے حالات یہاں درج نہیں ہوئے۔ چونکہ وہ ہندوستان کی انگریزی حکومت کی پناہ میں تھا۔ کوئی اسلامی حکومت اس پر قابو نہ پا سکی۔ اس نے امیر عبدالرحمٰن خان والئی افغانستان کو ایک مکتوب بھیج کر قبول مرزائیت کی دعوت دی تھی اور امیر مرحوم نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ تم بذات خود یہاں آ کر ہمیں تبلیغ کرو۔ اگر تمہارا دعویٰ اسلامی تعلیمات کے معیار پر پورا اترے گا تو نہ صرف میں بلکہ افغانستان کی ساری رعایا بھی تمہارے حلقہ ارادت میں داخل ہو جائے گی۔ مگر چونکہ غلام احمد کابل جانے کے انجام سے واقف تھا۔ اس لئے وہاں جانے کی اسے جرأت نہ ہوئی۔ غلام احمد کی طرح اور بھی بہت سے خود ساختہ نبی تھے جو مسلمان حکمرانوں کی گرفت سے محفوظ رہے۔ اس تالیف میں دو مدعیان خدائی، پندرہ مدعیان نبوت، چار مدعیان مسیحیت، چار مدعیان مہدویت، ایک مدعی امامت اور ایک مدعیہ مظہر فاطمہ زہراء کے حالات درج ہوئے ہیں۔ مدعیان مسیحیت میں سے دو شیخ بھیک مہدوی اور ابراہیم بزلہ مہدوی مدعیان مسیحیت کا تذکرہ حاجی محمد خراسانی کے واقعات کے ضمن میں اس لئے حوالہ قرطاس ہوا کہ یہ دونوں دوسرے مدعیوں کی طرح موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اغوائے خلق کرنے والا جھوٹا مدعی اسلامی حکومتوں کے کس سلوک کا مستحق ہے۔

ابوالقاسم رفیق دلاوری، لاہوری!

مقدمہ

ختم نبوت کا عقیدہ

نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا سلسلہ حضرت خاتم الانبیا ﷺ کی ذات گرامی پر منقطع ہوگیا۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس پر سطح ارضی کے شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک ہر ملک، ہر زمانہ، ہر رنگ، ہر نسل اور ہر مذہب و مسلک کے کلمہ گو قریباً چودہ صدیوں سے برابر متفق چلے آتے ہیں۔ یہی وہ اصل الاصول ہے جس کی بنیادوں پر ایمان کی پوری قومی عمارت کھڑی ہے۔ اسی کی بقاء پر ملت موحدین کی وحدت و استحکام کا مدار ہے۔ اگر خدانخواستہ اس عقیدہ میں تزلزل واقع ہو تو اس کا اثر محض معتقدات ایمانیہ ہی پر نہیں پڑے گا بلکہ یہ تمدنی، معاشی، سیاسی، اور بین الاقوامی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے لئے سخت ہلاکت آفریں ثابت ہوگا۔

مدعی نبوت کا ارتداد

سلف اور خلف کے تمام علمائے امت اس پر بھی متفق چلے آئے ہیں کہ ختم نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو کوئی دعوائے نبوت کرے وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں قرن اوّل سے لے کر آج تک تمام مدعیان نبوت برابر موت کے گھاٹ اتارے جاتے رہے۔ بشرطیکہ کوئی اسلامی حکومت ان پر قابو پا سکی۔ البتہ اگر کوئی متنبی قابو پانے سے پہلے تائب ہوگیا تو پھر اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔

(کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ یہ کام ہر شخص انفرادی طور پر بھی کر سکتا ہے۔ جس طرح حدود کا کام حکومت وقت کا کام ہے۔ اسی طرح قتل مرتد کا حق بھی صرف حکومت کا کام ہے۔ انفرادی طور پر ایسے معاملات کو قطعاً ہاتھ میں نہیں لیا جا سکتا)

نزول مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی حیات اور قرب قیامت کو آسمان سے ان کے نازل ہونے کا عقیدہ بھی اسلامی مسلمات میں داخل ہے۔ یہ عقیدہ قریباً چالیس صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام قرب قیامت کو نازل ہوں گے تو عہدۂ نبوت پر سرفراز رہنے کے باوجود شریعت محمدی پر عمل پیرا ہوں گے اور ان کی حیثیت امت کے مجدد اعظم کی سی ہوگی۔ پس یہ امت محمدی کی کتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس دین کی

تائید وتصدیق کے لئے ایک اولوالعزم رسول بھیجا جائے گا۔

بعض مغربیت زدہ لوگوں کا ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے کہ کس طرح کوئی شخص ہزار ہا سال کے بعد دنیا میں واپس آ سکتا ہے۔ لیکن جو شخص قرآن پر اور حضرت خیر المرسلین ﷺ کے ارشادات گرامی پر ایمان رکھتا ہے اس کو اس عقیدہ پر یقین رکھنے میں کوئی تردد وخلجان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کلام پاک میں عزیر علیہ السلام کے سو سال کے بعد زندہ ہونے کا واقعہ مذکور ہے۔ اسی طرح اصحاب کہف تین سو نو سال تک غار میں بحالت خواب پڑے رہے۔ پس اگر وہ امور خدائے قدیر کے لئے ممکن تھے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو ہزار ہا سال تک زندہ رکھ کر دوبارہ دنیا میں بھیجنا بھی اس ذات بے ہمتا کے لئے مشکل نہیں۔

ظہور مہدی علیہ السلام

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نزول مسیح علیہ السلام سے کچھ مدت پیشتر حضرت محمد بن عبداللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام جو سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد میں سے ہوں گے مکہ معظمہ میں ظہور فرما ہوں گے اور تھوڑے دنوں میں تمام عرب ان کے زیر نگیں ہو جائے گا۔ وہ سات سال تک برسر حکومت رہیں گے۔ نصاریٰ سے ان کی بڑی لڑائیاں ہوں گی۔ جن میں خدائے موفق ان کو مظفر ومنصور کرے گا۔ ان فتوحات کے بعد مہدی علیہ السلام اپنے لاؤلشکر سمیت دمشق میں قیام فرما ہوں گے تو ایک دن جب نماز عصر پڑھنے کے لئے صفیں درست کر رہے ہوں گے تو اسوقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے سفید شرقی مینار پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اتریں گے۔

نماز کی صفیں دیکھ کر حضرت مسیح علیہ السلام بغرض ادائے نماز اہل ایمان میں آ شامل ہوں گے۔ مہدی علیہ السلام ان سے نماز پڑھانے کی درخواست کریں گے۔ مگر وہ فرمائیں گے کہ آپ ہی نماز پڑھایئے کہ خدائے برتر نے امت محمدی کو بڑا اشرف بخشا ہے۔ اس پہلی نماز میں تو مہدی علیہ السلام امام ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد تمام نمازوں میں حضرت مسیح علیہ السلام ہی بوجہ افضلیت کے امامت فرمایا کریں گے۔

قتل دجال اور مدفن مسیحی

کچھ دنوں کے بعد مسیح علیہ السلام دجال اکبر یعنی ایک کانے یہودی سردار کو جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا ہوگا اور لوگوں کو عجیب وغریب معجزے دکھا کر گمراہ کر رہا ہوگا، قتل کریں گے۔ چونکہ مسیح علیہ السلام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ اس لئے یہودی، نصاریٰ اور تمام دوسرے

ادیان کے پیروان پر ایمان لا کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ تمام ملتیں مٹ جائیں گی اور صرف ایک دین اسلام دنیا میں باقی رہ جائے گا۔ تمام دعوتی اور تبلیغی فرائض سے فراغت پا کر حضرت مسیح علیہ السلام مدینہ منورہ جائیں گے اور وہاں شادی کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔

کچھ مدت کے بعد جب مسیح علیہ السلام کا پیمانہ حیات لبریز ہو جائے گا تو مدینہ منورہ کی زمین ایک اور پیغمبر کو اپنے دامن میں لینے کے لئے اپنا آغوش شوق پھیلا دے گی اور آپ افضل الانبیاء والرسل ﷺ کے مقبرۂ مبارک میں دفن کئے جائیں گے۔

اس رسالہ میں ان مشاہیر کے کچھ جزوی حالات حوالۂ قرطاس کئے جاتے ہیں جنہوں نے خدائی، پیغمبری، مسیحیت یا مہدویت کے دعوؤں کے ساتھ خروج کر کے خلق خدا کو گمراہ کیا اور آخر کار اپنی اپنی اسلامی حکومت کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے۔ وباللہ التوفیق!

۱...... اسود عنسی مدعی نبوت

اسود نے حضور سید کون ومکان علیہ التحیہ والسلام کے آخری ایام سعادت میں یمن کے اندر دعوائے نبوت کیا۔ اہل نجران اور قبیلہ مذحج نے اس کی متابعت اختیار کی۔ اسود کا قبیلہ عنس قبیلۂ مذحج ہی کی ایک شاخ تھا۔ جب اسود کی جمعیت بڑھی تو اس نے تھوڑے ہی دنوں میں پہلے نجران پر اور پھر یمن کے اکثر دوسرے حصوں پر قبضہ کر لیا۔ انجام کار یمن کے دارالحکومت صنعاء کا رخ کیا۔ وہاں کے عامل شہر بن باذانؓ نے اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن مغلوب ہو کر جرعۂ شہادت لے لیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانان یمن کو لکھ کر بھیجا کہ جس طرح بن پڑے اسودی فتنہ کا استیصال کریں۔

اہل ایمان اس فرمان سے بڑے قوی دل ہوئے اور یمن کے مختلف علاقوں میں در پردہ حربی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن دارالحکومت صنعاء کے مسلمان اسود کے مقابلہ میں اپنی حربی کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے مصلحت وصوابدید اس میں دیکھی کہ عسکری اجتماع کے بجائے مخفی سرگرمیوں سے اس کی جان لیں۔ اسود نے شہر بن باذانؓ کے واقعۂ شہادت کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبراً گھر میں ڈال لیا تھا اور آزاد کے عم زاد بھائی حضرت فیروز دیلمیؓ جو شاہ حبشہ کے خواہر زادہ تھے آزاد کو اسود کے پنجہ بیداد سے آزاد کرانے کے لئے سخت فکر مند تھے۔

مسلمانوں نے آزاد کو اپنا رازدار بنایا اور اس کے مشورہ کے بموجب ایک رات چند مسلمان نقب لگا کر اسود کے محل میں گھس گئے۔ فیروز دیلمیؓ نے جو ایک قوی الجثہ جوان تھے اچانک

اسود کی گردن اور منڈی جا پکڑی اور بڑی پھرتی سے مروڑ کر اس کی گردن توڑ دی اور اسے آناً فاناً بستر پر ہلاک کر دیا۔

اسود کی ہلاکت کے بعد اہل ایمان نے اس کے پیروؤں اور ہوا خواہوں کو مغلوب کر کے چھ دہی روز میں یمن کی حکومت بحال کر لی۔ شہر بن باذانؓ کی جگہ حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ صنعاء کے حاکم قرار پائے۔ سید دو جہاں ﷺ نے وحی الٰہی سے اطلاع پا کر فرمایا تھا کہ اسود فلاں رات اور فلاں وقت مارا جائے گا۔ چنانچہ جس وقت وہ قعر عدم میں پہنچا، اس صبح کو مخبر صادق ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج رات اسود مارا گیا۔ صحابہ عرض پیرا ہوئے۔ یارسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کا نام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فیروز دیلمی۔

چند روز کے بعد جب یمن کا قاصد اسود کے مارے جانے، اسلامی فرمانروائی کے بحال ہونے کی خبر لے کر مدینۃ الرسول پہنچا تو اس وقت حضرت سرور عالم وعالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت الٰہی کے آغوش میں استراحت فرما چکے تھے اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے عہد خلافت میں سب سے پہلی جو بشارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مژدہ تھا۔ اسودی فتنہ کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے راقم السطور کی کتاب ''ائمہ تلبیس ص ۸ تا ۱۶'' کی طرف رجوع فرمائیے۔

۲...... مسیلمہ کذاب

جب فخر بنی آدم حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی رسالت کا غلغلہ اقصائے عالم میں بلند ہوا تو قبیلہ بنو حنیفہ نے قبول اسلام کے بعد ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ مسیلمہ بھی اس وفد میں شریک تھا۔ وفد کے دوسرے ارکان کی طرح مسیلمہ نے بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مسیلمہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے اپنے قبیلہ میں ممتاز اور طلاقت لسانی اور فصاحت وانشا پردازی میں اقران واماثل میں ضرب المثل تھا۔ اس لئے اس نے بیعت کرنے کے بعد بارگاہ نبوت میں درخواست کی کہ حضور ﷺ مجھے اپنا خلیفہ وجانشین مقرر فرما دیں۔ یہ درخواست آپ ﷺ پر شاق گذری۔ اس وقت کھجور کی ایک ٹہنی آپ ﷺ کے سامنے پڑی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو مسیلمہ! اگر تم خلافت کے بارہ یہ شاخ خرما بھی مجھ سے طلب کرو تو میں تمہاری خواہش پوری نہیں

کروں گا۔ مسیلمہ متمنی تھا کہ آنحضرت ﷺ اسے اپنی نبوت میں شریک بنالیں۔ لیکن آپ ﷺ کے اس حق پژوہانہ جواب نے اس کے نخل امید کو بالکل خشک کر دیا۔

جب مسیلمہ ادھر سے مایوس ہوا تو بوقت مراجعت اس کے دل میں خود نبی بننے کے خیالات موجزن ہوئے اور اپنے قبیلہ میں پہنچ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ جناب محمد رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی نبوت میں اسے بھی شریک کر لیا ہے اور اپنی من گھڑت وحی والہام کے افسانے سنا سنا کر لوگوں کو راہ حق سے منحرف کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض زود اعتقاد لوگ سرور انبیاء ﷺ کی نبوت کے ساتھ مسیلمہ کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔

جب مسیلمی اغوا کوشیوں کی اطلاع آستان نبوت میں پہنچی تو حضور سید المرسلین ﷺ نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک ممتاز رکن رحال بن عنفوہ کو جو نہار کے لقب سے مشہور تھا اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ مسیلمہ کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائے۔ مسیلمہ بڑا لسان اور خوش بیان تھا۔ رحال نے مسیلمہ کو راہ راست پر لانے کی بجائے الٹا اس کا اثر قبول کر لیا اور سرور کائنات ﷺ کے ساتھ مسیلمہ کی بھی نبوت کا اقرار کر کے اپنی قوم سے بیان کیا کہ خود جناب محمد رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرماتے تھے کہ مسیلمہ نبوت میں میرا شریک ہے۔ بنو حنیفہ نے اس کی شہادت پر وثوق کر کے مسیلمہ کی نبوت تسلیم کر لی اور سارا قبیلہ اس کے دام ارادت میں پھنس کر مرتد ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد بنو حنیفہ کا ایک اور وفد مدینۃ الرسول گیا۔ ان لوگوں کو مسیلمہ کی تقدیس وطہارت میں بڑا غلو تھا۔ یہ لوگ مسیلمہ کے شیطانی الہامات کو صحابہ کرامؓ کے سامنے بڑے فخر سے وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ جب حضرت خیر الانام ﷺ کو ارکان وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا علم ہوا اور آپ ﷺ نے یہ بھی سنا کہ بنو حنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضور ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں حمد اور ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ ان تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے جو دجال اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں۔ اس دن سے اہل ایمان مسیلمہ کو مسیلمہ کذاب کہنے لگے۔

کچھ مدت کے بعد مسیلمہ نے کمال جسارت و بیباکی کے ساتھ حضرت فخر الانبیاء ﷺ کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا۔ ''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ معلوم ہوا کہ امر نبوت میں میں آپ کا شریک کار ہوں۔ عرب کی سرزمین نصف ہماری (یعنی بنو حنیفہ کی) اور نصف قریش کی ہے۔ لیکن قوم قریش زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے۔'' اور یہ مکتوب اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان دو قاصدوں

سے پوچھا کہ مسیلمہ کے بارہ میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر قاصد کا قتل جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مارنے کا حکم دیتا۔ اس روز سے دنیا میں یہ اصول مسلم اور زبان زد خاص و عام ہو گیا کہ قاصد کا قتل جائز نہیں۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح جھوٹے نبی واجب القتل ہیں۔ اسی طرح ان کو سچا نبی ماننے والے بھی گردن زدنی ہوتے ہیں۔ حضرت سید موجودات ﷺ نے اس چٹھی کا یہ جواب لکھوایا۔ ''من جانب محمد رسول اللہ بنام مسیلمہ کذاب۔ سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کے لئے ہے۔''

اس کے چند ہی روز بعد آفتاب رسالت رحمت الٰہی کے شفق میں مستور ہو گیا اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے پہلے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کی سرکردگی میں کچھ فوج یمامہ کی طرف روانہ فرمائی اور اس کے متعاقب شرحبیل بن حسنہ کو کچھ سپاہ دے کر بغرض کمک روانہ فرمایا۔ حضرت عکرمہؓ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرحبیل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہ کو ہزیمت ہوئی۔ مسیلمہ اور اس کے پیرو فتح کے شادیانے بجاتے میدان جنگ سے واپس ہوئے۔

اب امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ نے سیف اللہ خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر گراں کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا اور وہ دار الخلافت سے باد و برق کی سی تیزی کے ساتھ یمامہ کو روانہ ہوئے۔ اس اثناء میں حضرت عکرمہؓ کی طرح شرحبیل نے شتاب زدگی سے کام لے کر حضرت سیف اللہ کی آمد سے پہلے ہی مسیلمہ کی حربی قوت کا اندازہ کئے بغیر مرتدین بنو حنیفہ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جب حضرت خالدؓ کو مسلمانوں کی مکرر ہزیمت کا علم ہوا تو شرحبیل کو سخت ملامت کی اور فرمایا ہماری آمد کا انتظار کئے بغیر کیوں پیش دستی کی تمہاری عجلت پسندی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے سے بھی فزوں تر ہو گئی ہے اور اس کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔

جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے نامور سپہ سالار خالدؓ بن ولید اس کی سرکوبی کے لئے آ پہنچے تو اس نے بھی اپنے پیرووں کو عقرباء کے مقام پر لا جمع کیا۔ مسیلمہ کی طرف سے مجاعہ بن

مرارہ ایک جداگانہ دستہ فوج لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا۔ مسیلمہ تک پہنچنے میں ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالد نے شرحبیل بن حسنہ کو مقدمۃ الجیش کا سردار مقرر کر کے پیش قدمی کا حکم دیا۔ اتفاق سے رات کے وقت مجاعہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مسلمانوں نے نہایت بے جگری سے مرتدین پر حملہ بول دیا اور مجاعہ کے ساتھیوں کو مارتے مارتے ان کھلیان کر دیا۔ مجاعہ قید کر لیا گیا۔ اس کے رفقاء میں سے اس کے سوا کوئی نہ بچا۔

اب حضرت خالدؓ اور رئیس المرتدین مسیلمہ میں معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ اس محاربہ میں مسیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار شمار میں آیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے پہلے اتمام حجت کے لئے مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کو از سر نو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی پند وموعظت بہتیری تدبیریں چلائیں۔ لیکن مسیلمی گم کردگان راہ کے والہانہ یقین واعتقاد کی گرمجوشی میں کچھ فرق نہ آیا۔ اس معرکہ میں امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے بھائی زید بن خطابؓ حضرت عمرؓ کے عالی قدر صاحبزادہ عبداللہ بن عمرؓ اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادہ جناب عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بھی شریک تھے۔

یہ لڑائی بڑی خوفناک تھی۔ یہ اسلام اور کفر کی ایسی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پہلے مسلمانوں کو ایسے شدید معرکہ سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ کئی دن کی معرکہ آرائی کے بعد نسیم فتح مسلمانوں کے رایت اقبال پر چلی۔ مسیلمہ مارا گیا۔ اکیس ہزار مرتدین قعر ہلاکت میں پڑے اور حسب بیان ابن خلدون ایک ہزار اسی مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے مرتدین کے سردار مجاعہ سے سونے، چاندی، اسلحہ اور آدھے یا چوتھائی قیدیوں کی شرط پر مصالحت کر لی۔

اتنے میں ایک قاصد امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فرمان لے کر یمامہ پہنچا کر اگر خدائے عزیز مرتدین پر فتح یاب دے تو بنو حنیفہ میں سے جس قدر بقیۃ السیف عرصہ بلوغ کو پہنچ چکے ہوں وہ سب بجرم ارتداد قتل کئے جائیں اور ان کی عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنائے جائیں اور اسلام کے سوا ان سے کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ ”وان یقتلھم کل قتلۃ وان یسبی النساء والذراری ولا یقبل من احد غیر الاسلام“ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج٦ ص٣١٦)

لیکن امیر المومنین کا فرمان پہنچنے سے پہلے حضرت خالدؓ معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس لئے اس حکم کا تو پوری طرح نفاذ نہ ہو سکا اور لشکر اسلام کو اس سونے، چاندی، اسلحہ اور نصف یا ربع اسیران جنگ سے زیادہ کچھ نہ مل سکا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر ج٢ ص١٠٤) ورنہ بالغوں کے قتل اور

مرتدوں کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنالینے کے بعد بنوحنیفہ کے تمام منقولہ اور غیر منقولہ املاک مسلمانوں کے حیطۂ تصرف اور ملک میں آجاتے۔ بنوحنیفہ کے جو اسیر لونڈی غلام بنائے گئے انہی میں سے ایک لونڈی حضرت علی مرتضیٰؓ کے حصے میں آئی۔ حضرت علیؓ کے نامور فرزند محمد بن حنیفہ جن کا کسی قدر تذکرہ مختار ثقفی کے حالات میں آئے گا۔ اسی لونڈی کے بطن سے تھے۔ ''وقد تسری علی بن ابی طالب بجارية منهم وهی ام ابنه محمد الذی يقال له محمد بن الحنفية رضی الله تعالیٰ عنه'' (البدایہ والنہایہ ج۶ ص۳۲۵)

لندن کے ایک جلسہ میں جو کابل میں مرزائی مرتد نعمت اللہ کے سنگسار ہونے کے خلاف مرزا محمود کی کوششوں سے منعقد ہوا۔ مرزا محمود نے بیان کیا کہ: ''حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جو لوگ مرتد ہوئے ان کو کسی نے قتل نہیں کیا۔ صرف اس وقت ان سے جنگ کی گئی جب تک کہ انہوں نے حکومت سے بغاوت جاری رکھی۔'' (الفضل قادیان مورخہ ۲۵؍اکتوبر ۱۹۲۴ء)

مگر یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کیونکہ قانون شریعت میں جن لوگوں کے خلاف خروج وبغاوت کے جرم میں لشکرکشی کی جاتی ہے ان کے اسیروں کو لونڈی غلام نہیں بنایا جاتا۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں مگر پیروان مسیلمہ کے خلاف جو فوج کشی کی گئی اس میں امیر المؤمنین کا حکم صریح پہنچنے سے پہلے بھی جزوی طور پر ان کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنایا گیا۔

اور ظاہر ہے کہ مسیلمہ نے رسول خداﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کیا تھا۔ غلام احمد قادیانی کی طرح وہ بھی آپ کو نبی تسلیم کرتا تھا۔ لیکن ساتھ غلام احمد قادیانی کی طرح اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ مگر اس کے باوجود کافر اور ملت اسلام سے خارج قرار دیا گیا اور یہ بھی مسلم ہے کہ مسیلمہ کا قبیلہ بنوحنیفہ بھی رجال بن عنفوہ کے بیان پر وثوق کر کے نیک نیتی کے ساتھ مسیلمہ پر ایمان لایا تھا۔ مگر اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان کو معذور نہ سمجھا بلکہ ان کو مرتد قرار دے کر ان کے خلاف فوج کشی کی۔

۳…… مختار بن ابوعبید ثقفی

مختار ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبید ابن مسعود ثقفیؓ کا فرزند تھا۔ لیکن خوارج کے ہتھے چڑھ کر خارجی ہوگیا۔ وہ اہل بیت سے سخت عناد رکھتا تھا۔ لیکن سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کے واقعہ ہائلہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مسلمان کربلا کے قیامت خیز واقعات سے سخت سینہ ریش ہورہے ہیں اور استمالت قلوب کا یہ بہترین موقع ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ

لگایا کہ اہل بیت کا بغض اس کے بام ترقی پر پہنچنے میں سخت حائل ہے تو اس نے خارجی مذہب چھوڑ کر حب اہل بیت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔

۶۴ھ میں جب یزید بن معاویہ مرا تو اہل کوفہ نے یزید کے عامل عمرو بن حریث کو کوفہ کی حکومت سے برطرف کر کے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت کر لی۔ جنہوں نے یزید کے بعد حجاز اور عراق کی عنان فرمان روائی اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ مرگ یزید کے چھ مہینہ بعد مختار کوفہ پہنچا اور اہل کوفہ کو قاتلین حسینؓ سے جنگ آزما ہونے کی دعوت دینی شروع کی اور بولا میں (حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی) محمد بن حنیفہ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ مختار کوفہ کے گلی کوچوں اور مسجدوں میں جاتا اور حضرت حسینؓ اور دوسرے اہل بیت اطہار کا ذکر کر کے ٹسوے بہانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک جڑ پکڑنے لگی اور رجوع خلائق شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ہزاروں آدمی اس کے جھنڈے تلے جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔

اب مختار اپنی حکومت قائم کرنے کے منصوبے سوچنے لگا۔ چنانچہ ارادہ کیا کہ کوفہ پر قبضہ کر کے حکومت کی داغ بیل ڈالے۔ چنانچہ اس نے ۱۴ ربیع الاوّل ۶۶ھ کی رات کو خروج کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔ عبداللہ بن مطیع کو جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے حاکم کوفہ تھا بتایا گیا کہ مختار عنقریب خروج کر کے کوفہ پر قبضہ کیا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے شرفائے شہر کی قیادت میں فوج اور پولیس کے آدمی بھیج کر شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اس انتظام کا یہ مقصد تھا کہ مختار اور اس کے پیرو خوفزدہ ہو کر خروج سے باز رہیں۔ اس سے پہلے مختار نے مضافات کوفہ کے ایک مقام پر بڑی خاموشی کے ساتھ حربی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور وہ رزم و پیکار کے لئے بپھر رہا تھا۔ اس لئے ناکہ بندی کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

مختار شب معہود کو طلوع فجر تک فوج کی ترتیب و آراستگی میں مصروف رہا۔ یہ اطلاع پا کر سرکاری جمعیت بھی مقابلے پر آمادہ ہوئی اور تڑکے ہی دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ دن بھر تلوار چلی۔ آخر سرکاری فوج کی ہزیمت ہوئی اور مختار نے قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن کے بعد جب ابن مطیع کی قوت مدافعت جواب دے بیٹھی تو اس کے ایک فوجی افسر شیث ابن ربعی نے اس سے کہا کہ اب آپ نہ اپنے تئیں محفوظ رکھ سکتے ہیں اور نہ اوروں کو بچا سکتے ہیں۔ ابن مطیع نے کہا اچھا بتاؤ کیا کیا جائے۔ شیث نے کہا میری رائے میں مناسب ہے کہ آپ اپنے اور ہمارے لئے امان طلب کیجئے۔ ابن مطیع نے جواب دیا کہ مجھے مختار سے امان مانگتے ہوئے نفرت ہوتی ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ حجاز اور بصرہ ہنوز امیر المومنین (عبداللہ بن زبیرؓ) کے زیر نگیں ہیں۔

اس کے بعد ابن مطیع قصر امارت سے نکل کر ابو موسیٰ کے مکان میں جا چھپا۔ ابن مطیع کے آدمیوں نے دروازہ کھول دیا۔ مختار قصر میں داخل ہوا اور مطیع کے آدمیوں نے اس سے بیعت کر لی۔ صبح کو شرفائے کوفہ اس سے مسجد اور قصر کے دروازے پر ملاقی ہوئے اور کتاب وسنت اور اہل بیت کے خون کی انتقام جوئی کی شرط پر بیعت کی۔ مختار نے کوفہ کے بیت المال میں نوے لاکھ کی رقم پائی۔ جس میں ایک بڑا حصہ اس نے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔ ان ایام میں کوفہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے توابع دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس فتح سے مختار حجاز مقدس اور بصرہ کی ولایت کو چھوڑ کر باقی تمام علاقوں پر قابض ہو گیا جو ابن زبیرؓ کے زیر نگیں تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اس نے اپنے اعلیٰ ترین اوج وعروج کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور نظر آیا کہ اسلامی دنیا کا ایک معتد بہ حصہ اس کے علم اقبال کے سامنے سر نیاز جھکائے ہوئے ہے۔

عمال کا تقرر

اب اس نے کوفی رئیس ابراہیم بن اشتر کے چچا عبداللہ بن حارث کو آرمینیا کی حکومت تفویض کی۔ عبدالرحمٰن بن سعید کو موصل کا گورنر بنایا۔ اسحٰق بن مسعود کو مدائن کی سرزمین دی۔ اسی طرح دوسرے علاقے بھی ممتاز سرداروں کے زیر فرماں کر کے اپنی اپنی حکومتوں پر روانہ کر دیا۔
اس اثناء میں مختار کو معلوم ہو چکا تھا کہ ابن مطیع ابو موسیٰ کے مکان میں چھپا ہے۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن مغرب کے وقت ابن مطیع کے پاس ایک لاکھ درہم کی رقم گراں بھیج دی اور کہلا بھیجا کہ اس کو اپنی ضروریات پر خرچ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ جہاں تم اقامت گزیں ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ بے زری اور تہی دستی نے تمہیں شہر چھوڑنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ دشمن کے ساتھ حسن سلوک کی یہ ایک قابل تعریف نظیر ہے۔

قاتلین حسینؓ سے انتقام

کوفہ اور اس کے صوبجات پر عمل ودخل کرنے کے بعد مختار نے ان اشقیاء کے خلاف دارو گیر کا سلسلہ شروع کیا جو کربلا میں حضرت حسینؓ اور خاندان نبوت کے دوسرے ارکان کے قتل واستہلاک میں شریک تھے۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد، عمرو بن سعد، شمر ذی الجوشن، خولی بن یزید، حسین بن نمیر، زید بن رقاد جبانی، عمرو بن حجاج، زبیدی، عبدالرحمٰن بجلی، مالک بن نسیر بدی، حکیم بن طفیل طائی، عثمان بن خالد جہنی، عمرو ابن صبیح صیداوی، خنجر خونخوار کے حوالے کر دیئے گئے۔ اسی طرح مختار نے بہت سے دوسرے دشمنان آل رسول کا بھی قلع قمع کیا جو صاحب اس دارو گیر کی پوری تفصیل دیکھنا چاہیں۔ وہ راقم الحروف کی کتاب "ائمہ تلبیس" کی طرف رجوع فرمائیں۔

محب اہل بیت بننے کی غرض وغایت

اوپر لکھا ہے کہ مختار کو ابتداء میں اہل بیت نبوت سے کوئی محبت وہمدردی نہ تھی۔ بلکہ خارجی المذہب ہونے کے باعث اہل بیت کا دشمن تھا۔ لیکن اس کے بعد مصلحتاً اپنے تئیں محب اہل بیت ظاہر کر کے مقاتلین حضرت حسینؓ کے درپے انتقام ہوا۔ پس یزیدیوں کا قلع قمع جو اس سے صورت پذیر ہوا اس کی تہ میں حب جاہ وریاست کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے اس سے کہا اے ابا اسحٰق! تم کس طرح اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے لگے۔ تمہیں تو ان حضرات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا؟ کہنے لگا کہ: ”جب میں نے دیکھا کہ مروان نے شام پر تسلط جمالیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ اور مدینہ میں حکومت قائم کر لی۔ نجدہ یمامہ پر قابض ہو گیا ہے اور ابن حازم نے خراسان دبا لیا ہے تو میں کسی عرب سے ہیٹا نہیں تھا کہ چپ چاپ بیٹھ رہتا اور حصول مملکت کے لئے ہاتھ پاؤں نہ مارتا۔ میں نے جدوجہد کی اور ان بلاد پر عمل ودخل کر کے ان کا ہم پایہ ہو گیا۔“

(الدعاۃ وتاریخ ابن جریر طبری)

مختار کا دعوائے نبوت

جب مختار نے قاتلین اہل بیت کے تہس نہس کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اس قسم کی بہجت افزا خبریں فضائے عالم میں گونج رہی تھیں کہ مختار نے دشمنان اہل بیت کے گلے پر چھری رکھ کر محبان اہل بیت کے زخمہائے دل پر ہمدردی وتسکین کا مرہم رکھا ہے تو پیروان ابن سبا اور غلاۃ شیعہ نے اطراف واکناف ملک سے سٹ کر کوفہ کا رخ کیا اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے تملق وچاپلوسی کے انبار لگا دیئے۔ ہر شخص مختار کو آسمان تعلّی پر چڑھاتا۔ بعض خوشامدیوں نے تو اسے یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا کار عظیم وخطیر جو اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات سے ظہور میں آیا ہے۔ نبی یا وصی کے بغیر، کسی سے ممکن الوقوع نہیں۔

اس تملق وخوشامد کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا۔ مختار کے دل ودماغ پر انانیت وپندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو دن بدن بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے بساط جرأت پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

(الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر ص۳۴)

اس دن سے اس نے مکاتبات ومراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کر دیا۔ دعوائے نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے اور جبریل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں۔ مختار نے احنف بن قیس نامی ایک رئیس کو یہ خط لکھا تھا۔

السلام علیکم! بنو مضر اور بنو ربیعہ کا برا ہو۔ احنف! تم اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہے ہو کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو۔ مجھ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔ میں ان میں سے اکثرؑ سے فائق و برتر نہیں ہوں۔ اس لئے اگر مجھے کاذب سمجھا گیا تو کچھ مضائقہ نہیں (تاریخ ابن جریر طبری) ایک دفعہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ مختار نزول وحی کا مدعی ہے۔ انہوں نے فرمایا مختار سچ کہتا ہے۔ خدائے برتر نے اس وحی کی اطلاع اس آیت میں دی ہے۔ "ان الشیطن لیوحون الیٰ اولیائھم" (شیطان اپنے دوستوں پر وحی نازل کیا کرتے ہیں)

مختاری اکاذیب کے متعلق مخبر صادق کی پیشین گوئی

مختار کے جھوٹے ہونے کے متعلق خود مخبر صادق ﷺ کی پیشین گوئی بھی کتب حدیث مروی ہے۔ چنانچہ ترمذی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ "فی ثقیف کذاب و مبیر" (قوم بنو ثقیف میں ایک کذاب ظاہر ہوگا اور ایک ہلاکو) اس حدیث میں کذاب سے مختار اور ہلاکو سے حجاج بن یوسف مراد ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضرت اسماء ذات النطاقینؓ نے حجاج بن یوسف سے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب ظاہر ہوگا اور ایک ہلاکو۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار کو اور ہلاکو تو ہے۔

اسی طرح عدیؓ بن خالد سے مروی ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں تین دجالوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں۔ میں نے گذارش کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو ہمیں کانے دجال اور کذاب الکذابین مسیلمہ کے متعلق اطلاع دی تھی۔ اب یہ تیسرا دجال کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فتنہ گر ہوگا جسے لوگ عارف باللہ سمجھیں گے۔ حالانکہ وہ ایک ایسا دجال ہوگا جو سیاہ بھیڑیئے سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ آل محمد ﷺ کی محبت ظاہر کر کے بندگان خدا کو کھا جائے گا۔ حالانکہ اسے میری سنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔ (حاکم، طبرانی، ابن خزیمہ) مختار کا بہت سا الہامی کلام بھی تھا۔ جو اس نے وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا جو حضرات اس مقفی و مسجع کلام سے لطف اندوز ہونا چاہیں۔ وہ علامہ عبدالقاہر کی کتاب (الفرق بین الفرق ص۳۴، ۳۵) اور (کتاب الدعاۃ ص۶۴، ۶۵) کی طرف رجوع فرمائیں۔

مصعب بن زبیرؓ کو مختار پر فوج کشی کرنے کی تحریک

ابراہیم بن اشتر کوفی مختار کا دست راست تھا۔ مختار کو جس قدر عروج نصیب ہوا وہ سب ابراہیم بن اشتر کی شجاعت الوالعزمی اور حسن تدبیر ہی کا رہین منت تھا۔ ابراہیم ہر میدان میں مختار

کے دشمنوں سے لڑا اور اس کے علم اقبال کو ثریا تک بلند کر دیا۔ لیکن جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ مختار نے علی الاعلان نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے تو وہ نہ صرف اس کی اعانت سے دست کش ہو گیا۔ بلکہ بلاد جزیرہ پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا بھی اعلان کر دیا۔ یہ دیکھ کر کوفہ کے ان اہل ایمان نے جو مختار کی مارقانہ حرکتوں سے نالاں تھے۔ بصرہ جا کر مصعب بن زبیرؓ کو، مختار پر حملہ آور ہونے کی تحریک کی۔ مختار نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے کوفہ اور اس کے ملحقات کی حکومت چھین لی تھی۔ اس کے علاوہ ابن زبیرؓ کی مخالفت میں بہت سی دوسری خون آشامیوں کا بھی مرتکب رہ چکا تھا۔ اس لئے ان کے بھائی مصعب بن زبیرؓ بہت دنوں سے انتقام کے لئے دانت پیس رہے تھے۔

جب روسائے کوفہ نے حملہ آور ہونے کی تحریک کی تو مصعب ایک لشکر جرار لے کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ جب مختار کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے دو سپہ سالاروں کے ماتحت اپنی فوج روانہ کی۔ جب لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی تو مختار کے دونوں سپہ سالار احمر بن شمیط اور عبداللہ بن کامل میدان جانستان کی نذر ہو گئے اور بصریوں نے مختار کی فوج کو مار مار کر اس کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ جب مختار کو اپنے سپہ سالاروں کی ہلاکت اور اپنے لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ موت کا آنا لازمی امر ہے اور میں جس موت میں مرنا چاہتا ہوں وہ وہی موت ہے جس پر ابن شمیط کا خاتمہ ہوا۔

جب مصعب کی فوج نے خشکی اور تری کے دونوں راستے عبور کر کے پیش قدمی شروع کی تو مختار نے بھی بنفس نفیس کوفہ سے جنبش کی۔ مختار نے سلحین کے سنگم پر ایک بند بندھوا کر دریائے فرات کا پانی روک دیا۔ اس طرح فرات کا تمام پانی معاون دریاؤں میں چڑھ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصری فوج جو کشتیوں پر سوار ہو کر چلے آرہی تھی ان کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر بصریوں نے کشتیاں چھوڑ دیں اور پاپیادہ پیش قدمی شروع کر دی۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر حروراء کے مقام پر مورچہ بندی کی۔ اتنے میں مصعب بھی حروراء پہنچ گئے۔ جو ولایت بصرہ و کوفہ کی حد فاصل ہے۔

اب آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ اس لڑائی میں مختار کی فوج کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر سخت بدحالی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جتنی دیر تک فوج برسر مقابلہ رہی مختار نہایت بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کی ہزیمت پر وہ بھی پسپائی پر مجبور ہوا اور کوفہ پہنچ کر قصر امارت میں متحصن ہو گیا۔ دوسرے دن مختار کی ہزیمت خوردہ فوج بھی کوفہ پہنچ گئی۔ مختار کی فوج کا ایک افسر اس سے کہنے لگا کہ آپ نے وحی آسمانی سے اطلاع پا کر ہم سے فتح و ظفر

کا وعدہ نہیں کیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دشمن کو مار بھگائیں گے۔ مختار نے کہا کیا تم نے کتاب اللہ میں یہ آیت نہیں پڑھی۔ ”ویمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتب“ (حق تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بحال رکھتا ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں لوح محفوظ ہے)

قصر امارت کا محاصرہ اور محصورین کی بدحالی

مختار اپنے بیس ہزار پیرو حروراء لے گیا تھا۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد ماری گئی۔ کچھ کوفہ واپس آ کر اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اور آٹھ ہزار دام افتادہ مختار کے پاس قصر میں جا داخل ہوئے۔ مصعبؓ نے کوفہ آ کر قصر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ قریباً چار مہینہ تک جاری رہا۔ مختار ہر روز اپنے رسالے کے ساتھ قصر میں سے برآمد ہوتا اور محاصرین سے دو دو ہاتھ کر کے واپس جاتا۔ محصورین کی حالت دن بدن نازک ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر وہ اہل شہر بھی جو اس خود ساختہ نبی کے مخالف تھے دلیر ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب کبھی مختار کے سوار محاصرین پر حملہ کرنے کو قصر سے نکلتے، مکانوں کی چھتوں سے ان پر اینٹیں، پتھر، کیچڑ اور غلیظ پانی ڈالا جاتا۔ محاصرین نے سامان رسد کی آمد بالکل مسدود کر رکھی تھی۔ اسلئے محصورین کی حالت سخت زبوں ہو گئی۔

مختار کی ہلاکت

جب محاصرہ کی سختی ناقابل برداشت ہو گئی تو مختار نے اپنے دام افتادوں سے کہنے لگا یاد رکھو کہ محاصرہ جس قدر طویل ہو گا تمہاری طاقت جواب دیتی جائے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ باہر کھلے میدان میں داد شجاعت دیں اور لڑتے لڑتے عزت سے جانیں دے دیں اور اگر تم بہادری سے لڑو تو میں اب بھی فتح کی طرف سے مایوس نہیں ہوں۔ لیکن انہوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ اٹھارہ آدمیوں نے رفاقت اور جانبازی پر آمادگی ظاہر کی۔ اب مختار خوشبو اور عطر لگا کر باہر نکلا اور اٹھارہ آدمیوں ہی کی رفاقت میں مقابلہ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام ساتھی طعمۂ اجل ہو گئے۔ آخر مختار خود بھی ان مقتولوں کے ڈھیر پر ڈھیر ہو رہا۔

اب بصری فوج نے مختاریوں کو پابجولاں باہر نکالا اور مصعب نے سب کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ سب کے سب نہنگ شمشیر کے حوالے کئے گئے۔ مقتولوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مصعب کے حکم سے مختار کے دونوں ہاتھ کاٹ لئے گئے اور مسجد کے پاس کیلوں سے ٹھونک کر تشہیر کے لئے نصب کر دیئے گئے۔ مصعب نے مختار کی بیوی عمرہ بنت نعمان سے پوچھا کہ مختار کے دعوائے نبوت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے کہا وہ خدا کا نبی تھا۔ اس جواب پر مصعب نے اسے قید خانہ

میں بھیج دیا اور اس کے متعلق اپنے بھائی جناب عبداللہ بن زبیر کو لکھ بھیجا کہ مختار کی بیوی کہتی ہے کہ وہ نبی تھا۔ اس سے کیا سلوک کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے خواہرزادہ تھے لکھ بھیجا کہ اگر اس کا یہی عقیدہ ہے تو موت کے گھاٹ اتار دی جائے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں اسے حیرہ اور کوفہ کے درمیان لے گئے۔ پولیس کے ایک آدمی نے جس کا نام مطر تھا، تلوار کے تین ہاتھ رسید کئے۔ عمرہ نے عرب کے دستور کے بموجب اپنے اعزہ کو پکارا۔ عمرہ کے بھائی ابان بن نعمان نے یہ فریاد سنی تو فوراً مطر کی طرف جھپٹا اور زور سے اس کے تھپڑ رسید کیا۔ مطر اس کو پکڑ کر مصعب کے پاس لے گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ اپنی ہمشیرہ کے قتل کا وحشت انگیز منظر دیکھ کر کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ (ابن جریر طبری وابن اثیر)

۴...... حارث کذاب دمشقی

حارث بن عبدالرحمٰن دمشقی ایک قرشی کا غلام تھا۔ حصول آزادی کے بعد یاد الٰہی کی طرف مائل ہوا اور بعض اہل اللہ کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ سدِ رمق سے زیادہ غذا نہ کھاتا۔ کم سوتا، کم بولتا اور اس قدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر پوشی کے لئے ضروری تھی۔ اگر یہ زہد وورع، ریاضتیں اور مجاہدے کسی مرشد کامل کے زیر ہدایت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہنچا دیتے اور معرفت الٰہی کا نور کشور دل کو جگمگا دیتا۔ لیکن چونکہ غلام احمد قادیانی کی طرح بے مرشد تھا۔ شیطان اس کا رہنما بن گیا۔

شیاطین کا طریق اغوا

شیاطین کا معمول ہے کہ وہ طرح طرح کی نورانی شکلوں میں بے مرشد ریاضت کشوں کے پاس آ آ کر انواع واقسام کے سبز باغ دکھاتے ہیں۔ کسی سے کہتے ہیں کہ تو ہی مہدی موعود ہے۔ کسی کے کان پھونکتے ہیں کہ آنے والا مسیح تو ہی ہے۔ کسی کو نبوت ورسالت کا منصب بخش جاتے ہیں۔ کسی کو حلال وحرام کی شرعی پابندیوں سے مستثنیٰ کر جاتے ہیں۔ بے مرشد عابد جو علمی بصیرت میں کامل نہیں ہوتا۔ اس نورانی شکل کو شیطان نہیں سمجھتا۔ بلکہ اپنی حماقت سے یہ یقین کر لیتا ہے کہ اسے خود اس کے معبود برحق نے اپنا جمال مبارک دکھایا ہے اور ہم کلامی کا شرف بخشا ہے۔ اسی ذات برتر نے اسے نبوت یا مسیحیت یا مہدویت کے منصب جلیل پر سرفراز فرمایا ہے۔

حارث پر جنود ابلیس کی نگاہ التفات

جب جنود ابلیس نے حارث کو اپنی نگاہ التفات سے سرفراز کر کے اس پر الہام والقاء کے دروازے کھولے تو اس کو ایسے ایسے جلوے دکھائی دینے لگے جو پہلے کبھی مشاہدہ سے نہیں گزرے تھے۔ اس کے سر پر کسی مسیحا نفس شیخ طریقت کا ظل سعادت لمعہ افگن نہیں تھا۔ جس کی طرف رجوع کرتا اور وہ اسے ابلیسی اغوا کوشیوں پر متنبہ کر کے سراسر ضلالت سے بچاتا۔ اس نے اپنے باپ کو جو موضع حولہ میں رہتا تھا لکھ بھیجا کہ جلد آ کر میری خبر لو۔ کیونکہ مجھے بعض ایسی چیزیں دکھائی دینے لگی ہیں جن کی نسبت مجھے خدشہ ہے کہ کہیں شیاطین کی تلبیس نہ ہو۔ یہ پڑھ کر احمق باپ نے اس کو ورطۂ ہلاکت سے نکالنے کی بجائے الٹا اس کے سامنے ضلالت وظلمت کا جال بچھا دیا اور لکھ بھیجا بیٹا! تو اس کام کو بے خطر کر گزر جس کے لئے تمہیں حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ (ترجمہ) کیا میں تم کو بتلاؤں کہ شیاطین کس کے پاس آیا کرتے ہیں۔ وہ ایسے شخص پر نازل ہوتے ہیں جو دروغ گو بدکردار ہو۔ (۲۲۱:۲۶) اور تو نہ دروغ گو ہے اور نہ بدکردار۔ اس لئے کسی قسم کے اوہام اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔

لیکن حارث کے باپ کا یہ استدلال قطعاً جہالت پر مبنی تھا۔ کیونکہ اس سے اگلی آیت کے ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت ان دروغ گو و بدکردار کاہنوں کے باب میں نازل ہوئی تھی۔ جنہوں نے غیب دانی کے دعاوی کے ساتھ تقدس کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ آیت کے مفہوم میں قطعاً یہ چیز داخل نہیں کہ شیاطین کاہنوں کے سوا دوسروں کو اپنی وحی والقاء سے نہیں نوازتے۔

حارث کے استدراجی تصرفات

چونکہ حارث بڑا عابد ریاضت کش تھا اور نفس کشی کا شیوہ اختیار کر کے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کر لئے تھے۔ اس سے عادت مستمرہ کے خلاف بعض محیر العقول افعال صادر ہوتے تھے۔ مگر یہ افعال جو محض نفس کشی کا ثمرہ تھے۔ ان کو تعلق باللہ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا۔ موسم گرما میں لوگوں کو موسم سرما کے پھل اور میوے اور جاڑے میں تابستان کے پھل پیش کرتا بعض اوقات کہتا آؤ میں تمہیں موضع دیر مراں (ضلع دمشق) سے فرشتے نکلتے دکھاؤں۔ چنانچہ حاضرین برائ العین دیکھتے کہ نہایت حسین وجمیل فرشتے بصورت انسان گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ شیاطین ہر روز کسی نہ کسی نوری شکل میں ظاہر ہو کر حارث کو یقین

دلا رہے تھے کہ تو خدا کا نبی ہے۔ ایک دن شہر کا ایک رئیس قاسم نامی اس کے پاس آیا اور پوچھا تم کس بات کے مدعی ہو؟ کہنے لگا میں نبی اللہ ہوں۔ قاسم نے کہا اے خدا کے دشمن! تو جھوٹا ہے۔ نبوت تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہوگئی۔ اب کوئی شخص منصب نبوت پر سرفراز نہیں ہوسکتا۔ دمشق جہاں حارث کذاب مدعی نبوت تھا۔ خلفائے بنو امیہ کا دارالخلافہ تھا اور ان ایام میں خلیفہ عبدالملک دمشق کے تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ قاسم نے جھٹ قصر خلافت میں جا کر خلیفہ عبدالملک کو بتایا کہ یہاں ایک شخص نبوت کا دعویدار ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن حارث اس سے پیشتر دمشق سے بھاگ کر بیت المقدس چلا گیا تھا اور وہاں خاموشی اور رازداری کے ساتھ لوگوں کو اپنی نبوت کی دعوت دے رہا تھا۔

بیت المقدس میں حارث کے بعض مرید ایک بصری کو اس کے پاس لے گئے جو بیت المقدس میں نووارد تھا۔ جب بصری نے توحید الٰہی کے متعلق حارث کی نکتہ آفرینیاں سنیں تو اس کا گرویدہ ہوگیا۔ لیکن جب حارث نے بتایا کہ میں نبی مبعوث ہوا ہوں تو بصری نے کہا کہ میں تمہارا دعوائے نبوت تسلیم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ نئی نبوت کا دروازہ حضرت نبی آخرالزمان ﷺ کی بعثت کے بعد بند ہو چکا ہے۔ حارث نے کہا نہیں نہیں تم سوچو اور غور کرو۔ میری نبوت کے یہ یہ دلائل ہیں۔ بصری بغیر کسی مزید حیل وحجت کے وہاں سے چلا آیا اور وہاں سے دمشق جا کر خلیفہ سے ملا اور حارث کے دعوائے نبوت کی شکایت کی۔

خلیفہ عبدالملک نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ بصری نے بتایا کہ وہ بیت المقدس میں فلاں جگہ چھپا ہے۔ خلیفہ نے چالیس فرغانی سپاہی اس کے ساتھ کر دیئے۔ یہ لوگ بیت المقدس پہنچے اور اس کو گرفتار کر لیا اور زنجیر گردن میں ڈال کر اس کے دونوں ہاتھ گردن سے باندھے اور لے چلے۔ جب درۂ بیت المقدس میں پہنچے تو حارث نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ ”**قل ان ضللت فانما اضل علیٰ نفسی وان اهتدیت فبما یوحی الیٰ ربی** “(اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (بفرض محال) راہ راست کو چھوڑ دوں تو یہ حق فراموشی مجھی پر وبال ہوگی اور اگر راہ ہدایت پر مستقیم رہوں تو یہ اس کلام پاک کی بدولت ہے جس کو میرا رب مجھ پر نازل فرما رہا ہے۔) اس آیت کا پڑھنا تھا کہ گلے اور ہاتھ کی زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا گری۔ یہ دیکھ کر پیادوں کو کچھ بھی اچنبھا نہ ہوا اور انہوں نے زنجیر اٹھا کر دوبارہ اس کے ہاتھ گلے سے باندھے اور لے چلے۔

جب دوسرے درے پر پہنچے تو حارث نے مکرر وہی آیت پڑھی اور زنجیر دوبارہ کٹ کر

زمین پر آ رہی۔ پیادوں نے از سرِ نو زنجیر کو اٹھایا اور سہ بارہ جکڑ کر دمشق لے چلے۔ پیادوں کے مضطرب نہ ہونے اور اس کو پورے اطمینان سے مکرر سہ کرر جکڑ لینے کی وجہ یہ تھی کہ بصری ہر دفعہ پیادوں سے کہہ دیتا تھا کہ یہ خبیث بڑا شعبدہ باز ہے۔ آخر دمشق پہنچ کر اس کو خلیفہ عبدالملک کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے پوچھا کیا واقعی تم مدعی نبوت ہو۔ حارث نے کہا: ہاں۔ لیکن میرا یہ دعویٰ کچھ من گھڑت نہیں ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وحی الٰہی کے بموجب کہتا ہوں۔

خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا کہ اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دو۔ نیزہ مارا گیا۔ لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حارث کے پیرو کہنے لگے کہ انبیاء اللہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ خلیفہ نے محافظ سے کہا شاید تم نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا؟ اب کی مرتبہ اس نے بسم اللہ پڑھ کر وار کیا تو وہ بری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دے دی۔ یہ ٦٩ھ کا واقعہ ہے۔

(دائرۃ المعارف ج٦ ص٢٤٣، الدعاۃ ص٧٣ تا٧٦)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے کتاب ”الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان“ میں لکھا ہے کہ حارث کی ہتھکڑیاں اتارنے والا اس کا کوئی شیطان دوست تھا اور اس نے گھوڑوں کے جو سوار دکھائے تھے وہ ملائکہ نہیں بلکہ جنات تھے۔

قاضی عیاضؒ کا بیان

قاضی عیاضؒ ”الشفاء فی حقوق دار المصطفیٰ“ میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حارث کو قتل کرا کے سولی پر لٹکوا دیا۔ خلفاء و سلاطین اسلام نے ہر زمانہ میں مدعیان نبوت کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے اور علمائے معاصرین ان کے اس عمل خیر کی تائید و تحسین کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ جھوٹے مدعیان نبوت مفتری علی اللہ ہیں۔ خدائے برتر پر بہتان باندھتے ہیں کہ اس نے ان کو منصب نبوت سے نوازا ہے۔ یہ لوگ حضرت خیر الانام ﷺ کے خاتم النبیین اور لا نبی بعدہ ہونے کے منکر ہیں۔ علمائے امت اس مسئلہ پر بھی متفق اللفظ ہیں کہ مدعیان نبوت کے کفر سے اختلاف رکھنے والا بھی دائرہ ملت سے خارج ہے۔ کیونکہ وہ مدعیان نبوت کے کفر اور تکذیب علی اللہ پر خوش ہے۔

(نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج٣ ص٥٧٥)

محمودی غلط اندیشی

مرزا محمود نے جلسۂ لندن میں جو کابل میں نعمت اللہ مرزائی مرتد کے رجم کے خلاف مرزا محمود کی کوششوں سے منعقد ہوا، بیان کیا کہ: ”حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جو لوگ مرتد ہوئے ان کو کسی نے قتل نہ کیا تھا۔ صرف اس وقت تک ان سے جنگ کی گئی جب تک انہوں نے حکومت

سے بغاوت جاری رکھی۔" (الفضل قادیان مورخہ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۲ء)

مگر یہ بیان سراسر جہالت وکوری اور ابلہ فریبی ہے۔ حارث کذاب نے حکومت کے خلاف بغاوت میں حصہ نہیں لیا تھا۔ باوجود اس کے خلیفہ وقت نے اس کو محض دعوائے نبوت کے جرم میں اپنے سامنے قتل کرا کے اس دینی فتنہ کا سدباب کر دیا۔

۵...... مغیرہ بن سعید عجلی

مغیرہ بن سعید عجلی پہلے امامت کا اور پھر نبوت کا مدعی ہوا۔ کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ اور لشکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ جب خالد بن عبداللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے حاکم عراق تھا مغیرہ کے دعوائے نبوت کا علم ہوا تو ۱۱۹ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے چھ مرید بھی پکڑے آئے۔ خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ کیا تو نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ اس کو نبی یقین کرتے ہو۔ انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔

زندہ نذر آتش

خالد نے مغیرہ کو دعوائے نبوت کی وہ بڑی سے بڑی سزا دی جو اس کے تخیلۂ دماغ میں سما سکی۔ اس کے لئے سرکنڈوں کے گٹھے اور نفط منگوایا۔ خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو اٹھا لے۔ مغیرہ اس سے رکا اور ہچکچایا۔ خالد نے حکم دیا کہ اس کو مارو۔ معاً مار پڑنے لگی۔ مغیرہ نے گھبرا کر ایک گٹھا اٹھا لیا۔ اب اس کو اس گٹھے سے باندھ دیا گیا۔ اب اس پر اور گٹھے پر روغن نفط ڈال کر اس کو آگ دکھا دی گئی اور مغیرہ تھوڑی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔

(الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر ص ۲۴۴)

مرزائیوں کے لئے سامان عبرت

معلوم نہیں اس کے مریدوں کو بھی یہی وحشیانہ سزا دی گئی یا کسی اور طریقہ سے ان کی جان لی گئی۔ مرزائیوں نے بھی ایک ایسے شخص کو جس کا کریکٹر عام بازاری لوگوں سے بھی بہتر نہ تھا خدا کا نبی تجویز کر رکھا ہے۔ انہیں ان واقعات سے عبرت پذیر ہونا چاہئے۔ مغیرہ نے حکومت کے خلاف باغیانہ خیالات کو ہرگز دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسے نظر انداز نہ کیا گیا۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی انگریز کے ظل عاطفت کی بجائے کسی اسلامی عملداری میں ہوتا تو اس کا اور اس کو نبی ماننے والوں کا بھی یہی حشر ہوتا جو حارث کذاب اور مغیرہ کا ہوا۔

۶...... بیان بن سمعان تمیمی

بیان بن سمعان تمیمی، مغیرہ بن سعید عجلی کا معاصر تھا۔ دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے تھے۔ فرقۂ بیانیہ جو غلاۃ روافض کی ایک شاخ ہے اسی بیان کا پیرو ہے۔ نبوت کا مدعی تھا۔ کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کے ذریعہ زہرہ کو بلا لیتا ہوں اور لشکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ ہزاروں انسان نما ڈھور خوش اعتقادی کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ اس نے امام محمد باقر جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی اپنی نبوت کی دعوت دی تھی اور اپنے خط میں جو عمر بن عفیف کے ہاتھ امام ممدوح کو بھیجا، لکھا تھا کہ میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گے اور ترقی کرو گے۔ تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبوت پر سرفراز فرماتا ہے۔

بیان کو اس کے اس دعوے کی وجہ سے بیان کہتے تھے کہ مجھے قرآن کا صحیح "بیان" سمجھایا گیا ہے اور آیات قرآنی کا وہ مطلب و مفہوم نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔ عوام سے اس کی مراد علمائے اسلام تھے۔ اس قسم کا دعویٰ کچھ بیان پر موقوف نہیں تھا۔ بلکہ ہر جھوٹا مدعی خود مصیب و حق پرست بنتا اور حاملین شریعت کو خطا کار بتایا کرتا ہے۔

اوپر لکھا گیا کہ خالد بن عبداللہ قسری عامل کوفہ نے مغیرہ عجلی کو نذر آتش کر دیا تھا۔ بیان بھی اسی وقت گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب مغیرہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا تو خالد نے بیان کو بھی حکم دیا کہ سرکنڈوں کا ایک گٹھا تھام لے۔ چونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ مغیرہ کو گٹھا نہ اٹھانے پر مار پڑی تھی۔ فوراً لپک کر ایک گٹھا بغل میں لے لیا۔ خالد نے کہا تمہیں دعویٰ ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو۔ اب یہ کام کرو کہ مجھے اور میرے عملہ کو جو تیرے درپے قتل ہیں ہزیمت دے کر اپنے آپ کو بچا لو۔ مگر جھوٹا تھا۔ لب کشائی نہ کر سکا۔ آخر مغیرہ کی طرح اس کو بھی جلا کر بے نشان کر دیا گیا۔ (تاریخ طبری ج ۸ ص ۲۳۱، کتاب الفرق ص ۲۲۸)

۷...... ابو منصور عجلی

ابتداء میں حضرت امام جعفر صادقؓ کا معتقد اور اہل غلو میں سے تھا۔ جب امام ہمامؒ نے اسے مارقانہ عقائد کی بناء پر اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے دعوائے امامت کی ٹھان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند روز بعد یہ کہنا شروع کیا کہ میں امام محمد باقر کا خلیفہ و جانشین ہوں۔ ان کا درجہ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یہ شخص اپنے تئیں خالق بچوں کا ہم شکل بتاتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام محمد باقر کی رحلت کے بعد آسمان پر بلایا گیا اور معبود برحق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا

کہ بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے۔

ابو منصور اس امر کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ ابو منصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے اس سے تمام تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں اور اس کے لئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی۔ اس کا بیان تھا کہ جبرائیل امین نے پیغام رسانی میں خطا کی۔ بھیجا تو انہیں حضرت علیؓ کے پاس تھا لیکن وہ غلطی سے محمد مصطفی ﷺ کو پیغام الٰہی پہنچا گئے۔ (غنیۃ الطالبین)

اس فرقے کے کسی شاعر نے کہا ہے۔

جبریل کہ آمد زبر خالق بے چوں   درپیش محمد شد و مقصود علی بود

کہا کرتا تھا کہ قیامت اور جنت و دوزخ کچھ بھی نہیں۔ یہ محض ملاؤں کے ڈھکوسلے ہیں۔ جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی تھا ابو منصور کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا اور دیکھا کہ اس کی وجہ سے ہزارہا بندگان خدا تباہ ہو رہے ہیں تو اس کو گرفتار کر کے کوفہ میں سولی چڑھا دیا۔ (الفرق بین الفرق، الملل والنحل شہرستانی)

۸…… بہافرید نیشاپوری

ابو مسلم خراسانی کے عہد دولت میں جو خلافت آل عباس کا بانی تھا، بہافرید نام ایک شخص سیراوند نامی ایک قصبہ میں جو ضلع نیشاپور میں ہے ظاہر ہوا، نبوت و وحی کا مدعی تھا۔ دعوائے نبوت کے تھوڑی مدت بعد چین گیا اور وہاں سات سال تک مقیم رہا۔ مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیص بھی ساتھ لایا۔ اس قمیص کا کپڑا اس قدر باریک تھا کہ قمیص آدمی کی مٹھی میں آجاتی تھی۔ چونکہ اس زمانہ تک لوگ زیادہ باریک کپڑوں سے روشناس نہ ہوئے تھے۔ بہافرید نے اس قمیص سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔

چین سے واپس آکر رات کو وطن پہنچا۔ کسی سے ملاقات کئے بغیر رات کی تاریکی میں سیدھا مجوس کے مندر کا رخ کیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جب صبح کے وقت پجاریوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کیونکر آ رہا ہے۔

لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا حیرت کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔ میں برابر سات سال تک آسمانوں کی سیر و سیاحت میں مصروف رہا۔

وہاں مجھے جنت کی خوب سیر کرائی۔ میں نے دوزخ کا بھی معائنہ کیا۔ آخر رب کردگار نے مجھے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ قمیص پہنا کر زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں ابھی آسمانوں سے نازل ہو رہا ہوں۔

اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ اس نے کہا میں نے خود اسے آسمان کی طرف سے اترتے دیکھا ہے۔ پجاریوں نے بھی اس کے اترنے کی شہادت دی۔ بہافرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمانوں سے نازل ہوا، زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ کہیں دنیا میں بھی ایسا باریک اور نفیس کپڑا تیار ہو سکتا ہے؟ لوگ اس قمیص کو دیکھ کر محو حیرت تھے۔ الغرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کر کے ہزارہا لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اس کے دین کے احکام بڑے مضحکہ خیز تھے۔

بہافرید کا قتل

بہافرید مدت تک اغوائے خلق میں بلا مزاحمت مصروف رہا۔ آخر جب ابومسلم خراسانی نیشاپور آیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک مشترک وفد اس کے پاس پہنچا اور شکایت کی کہ بہافرید نے دین اسلام اور دین مجوس میں رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابومسلم نے عبداللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ بہافرید کو اطلاع مل گئی کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا ہے۔ فوراً نیشاپور سے راہ فرار اختیار کی۔ عبداللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے اسے کوہ بادغیس پر جا لیا اور گرفتار کر کے ابومسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابومسلم نے دیکھتے ہی اس پر خنجر خونخوار کا وار کیا اور سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔

ابومسلم نے حکم دیا کہ اس کے گم کردگان راہ پیرو بھی گرفتار کر لئے جائیں۔ وہ بہافرید کی گرفتاری سے پہلے ہی وفد کے جانے کی خبر سن کر بھاگ چلے تھے۔ اس لئے بہت تھوڑے افراد ابومسلم کی فوج کے ہاتھ آئے۔ اس کے پیرو بہافریدی کہلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ بہافرید ایک مشکیں گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان پر چڑھ گیا تھا اور کسی مستقبل زمانہ میں آسمان سے نازل ہو کر اپنے اعداء سے انتقام لے گا۔ (الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیہ، بیرونی)

۹…… اسحٰق اخرس مغربی

اسحٰق ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ اہل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصہ کا نام ہے جو مراکش، تیونس، الجزائر وغیرہ ممالک پر مشتمل ہے۔ اسحٰق ۱۳۵ھ میں اصفہان

میں ظاہر ہوا۔ ان ایام میں ممالک اسلامیہ پر خلیفہ سفاح عباسی حکمران تھا۔ اہل سیر نے اس کی دکان آرائی کی جو کیفیت لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اس نے صحف آسمانی، قرآن، تورات، انجیل اور زبور کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جمیع علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد زمانہ دراز تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف قسم کی صناعیوں اور شعبدہ بازیوں میں مہارت پیدا کی اور ہر طرح سے باکمال اور بالغ النظر ہو کر اصفہان آیا۔

دس سال تک گونگا بنا رہا

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسہ میں قیام کیا اور دس سال تک کی مدت ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں گذار دی۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس مدت میں کسی کو کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوا کہ یہ شخص بھی قوت گویائی سے بہرور ہے یا یہ شخص علامۂ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بناء پر یہ اخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ دس سال تک ہمیشہ اشاروں کنایوں سے اظہار مدعا کرتا رہا۔ ہر شخص سے اس کا رابطۂ مودت قائم تھا۔ کوئی چھوٹا بڑا ایسا نہ ہو گا جو اس کے ساتھ اشاروں، کنایوں سے تھوڑا بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔

اتنی صبر آزما مدت گذار لینے کے بعد آخر وہ وقت آ گیا جبکہ وہ اپنی مہر سکوت توڑنے اور کشور قلب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا سکہ بٹھائے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن تیار کیا۔ اس روغن میں یہ صفت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلی پیدا ہو کہ شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا مشکل ہو۔ اسی طرح اس نے خاص قسم کی دو رنگدار شمعیں بھی تیار کر لیں۔ اس کے بعد ایک رات جب کہ تمام لوگ محو خواب تھے اس نے وہ روغن اپنے چہرے پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں۔ ان کی روشنی میں ایسی چمک دمک اور رعنائی و دلفریبی پیدا ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اب اس نے اس زور سے چیخنا شروع کیا کہ مدرسہ کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ اب وہ نماز پڑھنے لگا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی عش عش کر اٹھے۔

جب مدرسہ کے منتظمین اور طلبہ نے دیکھا کہ گونگا آواز بلند قرأت کر رہا ہے اور قوت گویائی کے ساتھ اسے اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور فن تجوید کا کمال بھی بخشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے۔ اس کا ہر طرف چرچہ ہونے لگا اور شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ لوگ رات کی تاریکی میں جوق در جوق آ رہے تھے۔ خوش

اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ دن نکلنے پر شہر کے قاضی صاحب چند رؤسائے شہر کو ساتھ لے کر اس بزرگ ہستی کا جمال مبارک دیکھنے کے لئے مدرسہ میں آئے۔ قاضی صاحب نے نہایت نیازمندانہ لہجہ میں التماس کی کہ حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے۔ اگر حقیقت حال کا چہرہ بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہوگی۔

اسحٰق جو اس وقت کا پہلے سے منتظر تھا نہایت ریاکارانہ لہجہ میں بولا کہ آج سے کوئی چالیس دن پہلے فیضان الٰہی کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ دن بدن القائے ربانی سرچشمہ میرے باطن میں موجزن ہوا۔ حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروان منزل اس کے تصور سے بھی محروم رہے تھے اور وہ وہ اسرار و حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے۔

البتہ مختصراً اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر کا پانی لے کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور پھر کہنے لگے "السلام علیك یا نبی الله " میں یہ سن کر گھبرایا کہ واللہ اعلم! یہ کیا ابتلاء ہے۔ ایک فرشتہ بزبان فصیح یوں گویا ہوا: "یا نبی الله افتح فاك باسم الله الازلی "(اے اللہ کے نبی بسم اللہ پڑھ کر ذرا منہ تو کھولئے) میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بسم اللہ الازلی کا ورد کرتا رہا۔ فرشتے نے ایک سفید سی چیز میرے منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ شہد سے زیادہ شیریں، کستوری سے زیادہ خوشبودار، برف سے زیادہ ٹھنڈی تھی۔ اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ میری زبان گویا ہوگئی اور میں بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھنے لگا۔

یہ سن کر فرشتوں نے کہا محمد (ﷺ) کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو۔ میں نے کہا میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے سخت حیرت ہے۔ بلکہ میں تو عرق انفعال میں ڈوبا جاتا ہوں۔ فرشتے کہنے لگے خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کے لئے نبی مبعوث فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ باری تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم الانبیاء قرار دیا اور آپ کی ذات اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب میری نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟ کہنے لگے درست ہے۔ مگر محمد (ﷺ) کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری بالتبع اور ظلی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں نے انقطاع نبوت کے بعد ظلی بروزی نبوت کا ڈھکوسلہ اسی اسحاق سے اڑایا ہے۔ ورنہ قرآن و حدیث اور اقوال سلف صالحین میں اس مضحکہ خیز نبوت کا کہیں وجود نہیں۔

اسحاق کے معجزات باہرہ

اس کے بعد اسحٰق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلی نبوت کا منصب تفویض فرمایا تو میں نے اس سے معذرت کی اور کہا دوستو! میرے لئے تو نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق نہ کرے گا۔ فرشتے کہنے لگے تمہارے معجزے یہ ہیں۔ جتنی آسمانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں تمہیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید براں کئی زبانیں اور متعدد رسم الخط تمہیں عطاء کئے۔ اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو۔ میں نے قرآن اس ترتیب سے پڑھ کر سنا دیا۔ جس ترتیب سے نازل ہوا تھا۔ پھر انجیل پڑھائی وہ بھی سنا دی۔ تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا تو وہ بھی سنا دیئے۔ ملائکہ نے صحف آسمانی کی قرأت سن کر فرمایا: ”قم فانذر الناس “(اب کمر ہمت باندھ لو اور غضب الٰہی سے ڈراؤ) یہ کہہ کر فرشتے رخصت ہو گئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو گیا۔

زود اعتقادوں کی ہلاکت آفریں خوش اعتقادی

عوام کی عادت ہے کہ جونہی نفس امارہ کے کسی پجاری نے اپنے دجالی تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کی اس پر لوگ پروانہ وار گرنے لگے۔ اسحٰق کی تقریر سن کر عوام کا پائے ایمان ڈگمگا گیا اور سینکڑوں ہزاروں حرماں نصیب نقد ایمان اس کی نظر کو بیٹھے اور جن ہدایت یافتہ لوگوں کا دل نور ایمان سے روشن تھا وہ بیزار ہو کر چلے گئے۔ حاملین شریعت نے گم کردگان راہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اخرس دجال کذاب اور رہزن دین و ایمان ہے۔ لیکن عقیدت مندوں کی خوش اعتقادی میں کچھ فرق نہ آیا۔ بلکہ جوں جوں علمائے امت انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش فرماتے تھے تو ان کا جنون خوش اعتقادی اور زیادہ ترقی کرتا تھا۔

عساکر خلافت سے معرکہ آرائیاں

تھوڑی مدت میں اسحٰق کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے عمال کو مقہور و مغلوب کر کے بصرہ، عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ یہ معلوم کر کے خلیفہ منصور نے لشکر کشی کا حکم دیا۔ عساکر خلافت یلغار کرتی ہوئی پہنچیں اور رزم و پیکاری کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ آخر سپاہ خلافت مظفر و منصور ہوئی اور اسحٰق مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پیرو اب تک عمان

میں پائے جاتے ہیں۔

(کتاب الاذکیاء لابن جوزی و کتاب المختار و کشف الاسرار للعلامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر الدمشقی المعروف بالجوبریؒ)

۱۰...... استادسیس خراسانی

جن ایام میں اسلامی سیاسیات کی باگ ڈور خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے ہاتھ میں تھی استادسیس نامی ایک مدعی نبوت اطراف خراسان میں ظاہر ہوا۔ دعویٰ نبوت کے بعد عامۃ الناس اس کثرت سے اس کے دام تزویر میں پھنسے کہ چند ہی سال میں اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر اس کے دل میں استعمار اور ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور وہ خراسان کے اکثر علاقے دبا بیٹھا۔ یہ دیکھ کر مرد روز کے عامل اجثم نے ایک لشکر مرتب کیا اور استادسیس سے جا بھڑا۔ مگر اس کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے اجثم کے لشکر کا بیشتر حصہ بالکل غارت کر دیا اور خود اجثم بھی میدان جانستان کی نذر ہو گیا۔

اجثم کے مارے جانے کے بعد خلیفہ نے اور بھی سپہ سالار فوجیں دے کر روانہ کئے۔ مگر یا تو وہ مارے گئے یا سرکوب ہو کر واپس آئے۔ جب استادسیس نے خلیفہ کے آخری سپہ سالار کو پسپا کیا ہے تو اس وقت خلیفہ منصور بردان کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عساکر خلافت کی پیہم ہزیموں اور پامالیوں پر خلیفہ سخت پریشان ہوا۔ آخر خازم بن خزیمہ نامی ایک نہایت جنگ آزمودہ فوجی سردار کو اس غرض سے ولی عہد سلطنت مہدی کے پاس نیشاپور بھیجا کہ اس کی صوابدید کے بموجب استادسیس کے مقابلہ پر جائے۔ مہدی نے اسے تمام نشیب و فراز سمجھا کر چالیس ہزار کی جمعیت سے روانہ کیا۔ خازم کی اعانت کے لئے اور بھی آزمودہ کار افسر روانہ کئے گئے۔ بکار بن مسلم عقیلی ایک اور مشہور سپہ سالار بھی حازم کے ماتحت روانہ کیا گیا۔

آخر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ کئی دن تک قتل و خونریزی کا بازار گرم رہا۔ عساکر خلافت نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پرخچے اڑا دیئے اور اتنی تلوار چلائی کہ میدان جنگ میں ہر طرف مرتدین کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ ان محاربات میں سیس کے قریباً سترہ ہزار آدمی کام آئے اور چودہ ہزار قید کر لئے گئے۔ سیس بقیہ السیف تیس ہزار فوج کو پہاڑ کی طرف لے بھاگا اور وہاں اس طرح جا چھپا جس طرح خرگوش شکاریوں کے خوف سے کھیتوں میں جا چھپتا ہے۔ خازم نے جا کر پہاڑ کا محاصرہ کر لیا۔ اتنے میں شاہزادہ مہدی نے ابوعون کی قیادت میں بہت سی کمک بھیج دی۔ ابوعون اپنی فوج لے کر اس وقت پہنچا جب استادسیس محصور ہو چکا تھا۔

سیس کا قتل

سیس نے محاصرہ کی شدت سے تنگ آ کر ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے تئیں بلاشرط خازم کے سپرد کر دیا۔ استاد سیس اپنے بیٹوں سمیت گرفتار ہو گیا۔ سیس تو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ معلوم نہیں اس کے بیٹوں کا کیا حشر ہوا۔ خازم نے فی الفور مہدی کے پاس مژدۂ فتح لکھ بھیجا۔ جونہی یہ بہجت افزاء خبر مہدی کے پاس پہنچی اس نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے پاس فتح و نصرت کا تہنیت نامہ لکھا۔ یاد رہے کہ یہی مہدی خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا۔ جو منصور کی رحلت پر خلیفۃ المسلمین ہوا۔ کہتے ہیں کہ استاد سیس خلیفہ مامون کا نانا یعنی مراجل مادر ماموں کا باپ تھا اور اس کا بیٹا غالب جس نے فضل بن سہل برمکی کو قتل کیا تھا خلیفہ مامون (بن ہارون رشید) کا ماموں تھا۔

(تاریخ ابن خلدون، تاریخ ابن جریر طبری، تاریخ کامل ابن اثیر)

۱۱...... حکیم مقنع خراسانی

حکیم مقنع کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین نے عطاء لکھا ہے اور بعض نے ہشام یا ہاشم بتایا ہے۔ حکیم کے لقب سے مشہور تھا۔ مرد کے پاس ایک گاؤں میں جس کو "کازہ کیمن وات" کہتے تھے، ایک غریب دھوبی کے گھر پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش کے وقت کسی کو کیا خبر تھی کہ ایک دن یہی غریب دھوبی کا لڑکا تاریخ عالم کے صفحات پر شہرت دوام کا خلعت حاصل کرے گا۔ نہایت طباع و ذہین تھا۔ اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر علم و فضل کی طرف متوجہ ہوا۔

مقنع نے اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود علوم نظریہ میں وہ درجہ حاصل کیا کہ نواح خراسان میں کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً علم بلاغت، حکمت و فلسفہ، شعبدہ و حیل، طلسمات و سحر اور نیرنجات میں سرآمد روزگار تھا۔ اس نے اپنی جودت طبع سے عجیب و غریب ایجاد کیں اور صنائع و بدائع کے ذریعہ سے بہت جلد آسمان شہرت پر چمکنے لگا۔ لیکن اس کی خلقت میں ایک ایسا عیب تھا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں گونہ فرق پڑتا تھا۔ وہ یہ کہ نہایت کریہ المنظر، پست قامت، حقیر اور کم رو شخص تھا اور اس پر طرہ یہ کہ واحد العین تھا۔ یعنی اس کی ایک آنکھ کانی تھی۔ جسے دیکھ کر دلوں میں اس کی طرف سے وحشت و نفرت پیدا ہوتی تھی۔

مقنع اس عیب کے چھپانے کے لئے ایک چمکدار مصنوعی چہرہ اپنے منہ پر چڑھائے رکھتا تھا اور بغیر اس نقاب کے کسی کو اپنی شکل نہیں دکھاتا تھا۔ اس تدبیر سے اس نے لوگوں کی نفرت کو گرویدگی سے بدل دیا اور اسی نقاب کی وجہ سے لوگوں میں مقنع (نقاب پوش) مشہور ہو گیا۔ چہرہ

چھپائے رکھنے کی اصلی بناء تو یہ تھی۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے نقاب پوشی کی وجہ دریافت کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اپنی شکل وصورت اس لئے تبدیل کر رکھی ہے کہ لوگ میری روئیت ضیا پاش کی تاب نہیں لا سکتے اور اگر میں اپنا چہرہ کھول دوں تو میرا نور دنیا و مافیہا کو جلا کر خاکستر کردے۔

دعویٰ خدائی

چونکہ دینی تعلیم سے بالکل بے بہرہ تھا اور علوم نظری میں کمال حاصل تھا۔ اس لئے اس کے ہفوات کی بنیادیں فلسفیوں کے خیالات پر مبنی تھیں۔ اس کا بدترین مذہبی اصول مسئلہ تناسخ تھا۔ جس کی بناء پر الوہیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ میرے پیکر میں ظاہر ہوا ہے۔ لیکن مقنع نے خدائی مسند صرف اپنے لئے خالی نہ رکھی۔ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مظہر خداوندی قرار دیا اور کہا کہ خدائے قدوس سب سے پہلے آدم علیہم السلام کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور یہی وجہ تھی کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ ورنہ کیونکر جائز اور ممکن تھا کہ ملائکہ غیر اللہ کے سجدے کے مامور ہوتے اور ابلیس انکار کی وجہ سے مستوجب عذاب اور مردود ابدی ہو جاتا۔

لیکن یہ زعم بالکل باطل ہے۔ کیونکہ بناء بر تحقیق آدم علیہ السلام فی الحقیقت مسجود نہیں تھے بلکہ محض جہت سجدہ تھے۔ مقنع کہتا تھا کہ آدم علیہ السلام کے بعد حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے جسد میں حلول کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ذات خداوندی تمام انبیاء کی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ انجام کار خدائے برتر صاحب الدولۃ ابو مسلم خراسانی کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور اب رب العزت اسی شان سے میرے پیکر میں جلوہ فرما ہے۔ میں اس زمانہ کا اوتار ہوں۔ اس لئے ہر فرد بشر پر لازم ہے کہ مجھے سجدہ کرے اور میری پرستش کیا کرے۔ تاکہ فلاح ابدی کا مستحق ہو۔ ہزارہا ضلالت پسند حرماں نصیب اس کے دعوائے الوہیت کو صحیح جان کر اس کے سامنے سربسجود ہونے لگے۔ یہ شخص ابو مسلم خراسانی کو جسے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے اس کی غداریوں کی بناء پر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ سے (معاذ اللہ) افضل بتاتا تھا۔

یہ تو اس کی زندقہ نوازی کا حال تھا۔ اب اس کی تعلیمات کا اخلاقی پہلو ملاحظہ ہو۔ اس نے تمام محرمات کو مباح کر دیا۔ اس کے پیرو بے تکلف پرائی عورتوں سے ناجائز تمتع حاصل کرتے تھے۔ اس کے مذہب میں مردار اور خنزیر حلال تھا۔ مقنع نے انجام کار صوم وصلوٰۃ اور تمام دوسری عبادتیں برطرف کر دیں۔ اس کے پیرو مسجدیں بنواتے اور ان میں مؤذن نوکر رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص وہاں نماز نہیں پڑھتا۔ لیکن یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا پردیسی مسلمان ان کی مسجد میں چلا جائے تو مسجد کا مؤذن اور مقنع کے دوسرے سیاہ دل پیرو موقع ملنے پر

اس کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے اس کی نعش کو مستور کر دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ مسلم حکمرانوں کی طرف سے ان پر بڑی بڑی سختیاں ہوئیں۔ اس لئے اب وہ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

مقنع کا ہوس استعمار اور قلعوں کی تعمیر

جب مقنع کا حلقہ مریدین بہت وسیع ہوگیا تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کیں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے دو زبردست قلعے تعمیر کرائے۔ ایک کو وثیق کہتے تھے اور دوسرے کا نام سیام تھا۔ قلعہ سیام پہاڑ میں واقع تھا اور مضبوطی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی فصیل کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سو سے زیادہ بڑی اینٹیں جو اس زمانہ میں قلعوں کی تعمیر کے لئے تیار کی جاتی تھیں دیواروں کی عرض میں لگی تھیں۔ اس کے علاوہ قلعہ کے اردگرد ایک نہایت عریض خندق تھی اور قلعہ کی قوت مدافعت کا یہ عالم تھا کہ اس میں کئی سال کا سامان رسد اور اسلحہ جنگ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہر وقت مہیا رہتا تھا۔ مقنع نے اور بھی چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کرائے۔

تعمیر قلعہ جات کے بعد مقنع نے ان میں مضبوطی سے قدم جمائے اور نہایت بیبا کی سے خراسان کے مختلف علاقوں میں اہل ایمان کے خلاف دھما چوکڑی مچادی۔ ان ایام میں بخارا اور صغد میں باغیوں اور دوسرے شوریدہ سروں کی ایک جماعت پیدا ہوچکی تھی۔ جن کو بیضہ کہتے تھے۔ گو ان لوگوں کو مقنع کی خانہ ساز خدائی سے تو کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن اپنے سیاسی مصالح کے پیش نظر مقنع کے ساتھ ہو گئے تھے۔ علاوہ ترکوں سے بھی مقنع کو بڑی تقویت پہنچی جو ہنوزہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اکثر اوقات سرحدی علاقوں میں تخت وتاراج کر کے بھاگ جایا کرتے تھے۔ اب مقنع اور اس کی اتحادی جماعتوں کا یہ معمول ہوگیا کہ جہاں موقع پایا مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل وغارت کا میدان گرم کیا اور رفو چکر ہو گئے۔

یہ حالات دیکھ کر خلیفہ مہدی عباسی نے ابونعمان جنید اور لیث بن نصر کو فوج دے کر پیروان مقنع کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ لیکن اسلامی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ لیث کا بھائی بن نصر اور اس کا برادرزاد حسان اس معرکہ میں کام آئے۔ جب خلیفہ مہدی کو اس ہزیمت و ناکامی کا علم ہوا تو اس نے ان کی کمک پر ہوشیار سپہ سالار جبریل بن یحیٰی کو روانہ کیا اور باغیان بخارا و صغد کے مقابلہ میں اس کے بھائی یزید بن یحیٰی کو مامور فرمایا۔ چار مہینہ تک رزم و پیکار کا بازار گرم رہا۔ بالآخر لشکر خلافت مظفر و منصور ہوا اور اس نے بنوک شمشیر قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ مقنع کے سات سو پیرو ذہنگ شمشیر کا لقمہ بنے۔ ہزیمت خوردہ اشقیاء میں سے جو زندہ بچے وہ بھاگ کر قلعہ سیام میں چلے گئے جہاں خود مقنع موجود تھا۔

مگر جبریل نے بھی ان کی جان نہ چھوڑی۔ اعداء کا تعاقب کرتا اور بھگوڑوں کو مارتا کاٹتا بجلی کی طرح قلعہ سیام پر جا کڑکا اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک وہ قلعہ میں نہ جا چھپے۔ اب خلیفہ نے ایک اور سپہ سالار معاذ بن مسلم کو ستر ہزار فوج اور چند آزمودہ کار فوجی سرداروں کے ساتھ مقنع کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ معاذ کے مقدمۃ الجیش کا افسر اعلیٰ سعید بن عمرو حریشی تھا۔ اس کے بعد ایک اور مشہور سپہ سالار عقبہ بن مسلم بھی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ جیش موحدین میں آ شامل ہوا۔ ان دونوں نے اتفاق رائے سے طواویس کے مقام پر مقنع کے لشکر پر حملہ کیا۔ مقنع کی جمعیت پہلے ہی حملے میں ٹوٹ گئی اور اس کے جنگ آور سخت بے ترتیبی سے بھاگ نکلے اور سینکڑوں کھیت رہے۔ ہزیمت خوردہ فوج نے قلعہ سیام میں مقنع کے پاس جا دم لیا۔

یہ دیکھ کر مقنع نے فوراً قلعہ بندی کی اور تمام مورچوں کو مضبوط کیا۔ معاذ بن مسلم نے فی الفور محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس کے بعد خود معاذ بن مسلم اور سعید بن عمرو حریشی میں کشیدگی ہو گئی۔ سعید نے خلیفہ مہدی کے پاس معاذ کی شکایت لکھ بھیجی اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر مجھے تنہا مقنع کے مقابلہ پر مامور فرمایا جائے تو میں اس کا فوراً قلع قمع کر سکتا ہوں۔ خلیفہ مہدی نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ سعید بن عمرو حریشی بلا مشارکت معاذ مقنع کے مقابلہ پر مستعد ہوا۔ لیکن معاذ نے پھر بھی بے نفسی سے کام لیا اور اسلامی عزت و ناموس کا لحاظ کر کے اپنے بیٹے کو سعید کی مدد پر بھیج دیا۔ کاش ہمارے مسلم رہنما معاذ کی مثال سے سبق آموز ہو کر اسلامی مفاد پر ذاتیات کو قربان کرنے کی عادت کر لیں۔

ملتان سے دس ہزار کھالوں کی روانگی

سعید حریشی مدت تک اس کوشش میں منہمک رہا کہ اسلامی لشکر کسی طرح خندق کو عبور کر کے فصیل قلعہ تک پہنچے۔ مگر کوئی تدبیر سازگار نہ ہوئی۔ مساعی تسخیر کو شروع ہوئے متعدد سال گذر گئے۔ لیکن یہاں ہنوز روز اول تھا۔ اس مدت میں اسلامی لشکر کو بہت سا جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ موسمی خرابیوں کے علاوہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ مقنع کے پیرو اسلامی لشکر پر جو کھلے میدان میں محاصرہ کئے پڑا تھا۔ ہر وقت قلعہ سے تیر چلاتے اور سنگ باری کرتے رہتے تھے۔ لیکن باایں ہمہ مشکلات سعید نے ہمت نہ ہاری اور اپنی جدوجہد کو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ جاری رکھا۔ اب اس نے لوہے اور لکڑی کی بہت لمبی لمبی سیڑھیاں بنوائیں تاکہ ان کو خندق کے دونوں سروں پر رکھ کر پار ہو جائیں۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ خندق کی چوڑائی مسلمان انجینئروں کے اندازہ سے زیادہ نکلی۔

اب سعید نے خلیفہ مہدی کو لکھا کہ بہت جتن کئے۔ لیکن قلعہ تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی طرح خندق کو پاٹ دیا جائے۔ ان ایام میں متحدہ ہندوستان میں سندھ اور پنجاب کا جنوبی حصہ خلافت بغداد کے زیر نگین تھا۔ خلیفہ نے اپنے عامل سندھ کو لکھا کہ گائے بیل اور بھینس کی جس قدر کھالیں فراہم ہوسکیں جلد ان کے بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔ شاید اس زمانہ میں یا اسلامی قلمرو میں بوریاں نہ ملتی ہوں گی۔ ورنہ ریت بھرنے کے لئے کھالوں سے زیادہ کار آمد تھیں۔ فرمان خلافت کے بموجب ملتان سے دس ہزار کھالیں بھیج دی گئیں۔ سعید نے ان کھالوں میں ریت بھروا بھروا کر ان کو خندق میں ڈلوانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں خندق پٹ گئی اور محاصرین قلعہ کی دیواروں کے پاس پہنچ گئے۔

اب حصار شکن آلات سے کام لیا جانے لگا اور ساتھ ہی قلعہ پر حملے شروع کر دیئے گئے۔ مقنع کے پیروؤں نے یہ حالت دیکھی تو عالم یاس میں گھبرا کر مخفی طور پر سعید سے امان طلب کی۔ سعید نے امان دے دی۔ چنانچہ تیس ہزار آدمی قلعہ سے باہر نکل آئے۔ اب مقنع کے پاس صرف دو ہزار جنگ آور باقی رہ گئے۔

مقنع کی خدائی کا خاتمہ

جب سعید نے محاصرے میں زیادہ سختی کی تو مقنع نے اپنی ہلاکت کا یقین کر کے اپنے اہل وعیال کو جمع کیا اور بقول بعض مورخین جام زہر پلا پلا کر سب کو نذر اجل کر دیا اور انجام کار خود بھی جام زہر پی لیا۔ مرتے وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ بعد از مرگ مجھے آگ میں جلا دینا تا کہ میری لاش دشمن کے ہاتھ میں نہ جائے۔ لشکر اسلام نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کا سر کاٹ لیا اور خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قلعہ میں جس قدر چوپائے اور مال واسباب تھا پہلے اس کے جلانے کا حکم دیا پھر ساتھیوں سے کہا کہ جس کسی کو اس بات کی خواہش ہو کہ میرے ساتھ خلد بریں پہنچ جائے وہ میرے ساتھ اس آگ میں کود پڑے۔ سب خوش اعتقادوں نے حکم کی تعمیل کی اور آگ میں کود کر خاک سیاہ ہوگئے۔

جب اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہوا تو کسی انسان یا چارپایہ کا نام ونشان نہ پایا۔ یہ ۱۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے اکثر پیرو جو اکناف ملک میں زندہ رہ گئے اس کے فقدان سے اور زیادہ فتنے میں پڑے اور یہ اعتقاد کر بیٹھے کہ مقنع آسمان پر چلا گیا ہے۔ مقنع کے وہ معتقد جو لڑائیوں میں اس سے علیحدہ ہو گئے تھے اس کے فقدان کی خبر سن کر بہت تاسف کرتے تھے کہ مقنع جو فی الحقیقت خدا تھا افسوس کہ ہم نے اخیر تک اس کا ساتھ نہ دیا۔ ورنہ ہم بھی اس کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جاتے۔

مقنع کی آتش فتنہ چودہ سال تک شعلہ زن رہ کر ۱۶۳ھ میں منطفی ہوئی۔

(ابن خلدون، تاریخ ابن خلکان، کتاب الفرق بین الفرق، تاریخ کامل اور بعض دیگر کتب)

۱۲…… بابک خرمی

بابک کا باپ جسے عبداللہ کہتے تھے مدائن کا ایک تیلی تھا۔ اس نے آذربائیجان کی سرحد پر ایک گاؤں میں جو بلال اباذ کے نام سے موسوم تھا سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ عالم شباب میں اپنی پیٹھ پر تیل کا برتن رکھ کر رستاق کے دیہات میں تیل بیچا کرتا تھا۔ لیکن بابک کی پیدائش کے چند ہی روز بعد اس کا باپ کوہ سلمان کو گیا اور وہیں مارا گیا۔ بابک کی ماں دایہ گری کا کام کرنے لگی۔

آذربائیجان کے پہاڑوں میں ایک قصبہ بذ کے نام سے مشہور تھا۔ اس سلسلۂ کوہ میں دو رئیس برسر اقتدار تھے، جن میں باہم رقابت تھی۔ ایک کو ابوعمران کہتے تھے اور دوسرے کا نام جاویدان تھا۔ کوہ بذ کی ملکیت کے متعلق ان میں جھگڑے قضیے برپا رہتے تھے۔ دونوں کی یہی تمنا تھی کہ اس سرزمین کو اپنے حریف کے خار وجود سے پاک کر کے بلاشرکت غیرے ریاست کا مالک ہو جائے۔ ایام گرما میں دونوں رئیس ہر سال متصادم و برسرپیکار رہتے۔ لیکن موسم سرما کے شروع میں جب برف پڑنے لگتی تو مجبوراً عربدہ جوئی سے دست بردار ہو جاتے۔

ایک سال جاویدان دو ہزار بکریوں کا ریوڑ لے کر بذ سے شہر زنجان کی طرف روانہ ہوا جو قزوین کی سرحد پر ہے۔ وہاں بکریاں فروخت کر کے بذ کی طرف مراجعت کی۔ راستے میں جب موضع بلال اباذ پہنچا تو شدید برف باری شروع ہو گئی۔ جس کے باعث انقطاع سفر ناگزیر تھا۔ جاویدان نے موضع بلال اباذ کے آدمی سے کہا کہ کوئی ایسا مکان بتاؤ جہاں میں چند روز قیام کر سکوں۔ وہ شخص اسے بابک کی ماں کے پاس لے گیا۔ بابک اور اس کی ماں نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ جاویدان جتنے دن وہاں رہا، بابک نے اپنی خدمت گذاری سے اس کو بہت خوش کیا۔ جاتے وقت جاویدان بابک کی ماں سے کہنے لگا کہ اگر تم اپنا بیٹا میری ملازمت میں دے دو تو میں پچاس درہم ماہانہ تنخواہ دوں گا اور یہ رقم ہر مہینہ تمہارے پاس پہنچ جایا کرے گی۔ بابک کی ماں رضامند ہو گئی اور بابک جاویدان کے ساتھ کوہ بذ میں چلا گیا۔

تھوڑے دنوں میں جاویدان اور ابوعمران میں پھر سلسلۂ رزم و پیکار شروع ہوا۔ ابوعمران مارا گیا اور جاویدان نے اس کے تمام املاک پر قبضہ کر لیا۔ بابک ایک جوان رعنا تھا۔ جاویدان کی جورو اس پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں میں فاسقانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ تھوڑے عرصے

میں جاویدان مرگیا اور اس سے پیشتر کہ کسی کو اس کے مرنے کی اطلاع ہو۔ اس کی بیوی رات کے وقت بابک سے کہنے لگی کہ جاویدان مرگیا ہے اور میری خواہش ہے کہ تمہیں برسر حکومت کر کے تم سے باقاعدہ شادی کرلوں۔ بابک کہنے لگا میں تمہارے شوہر کا ایک ادنیٰ خادم تھا۔ لوگ میری متابعت پر کس طرح رضامند ہوں گے اور تمہاری قوم میرے ساتھ تمہارے عقد نکاح کو کیونکر گوارا کرے گی؟ عورت نے کہا میں نے ایک حیلہ تجویز کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

بابک نے پوچھا تم نے کیا حیلہ تراشا ہے؟ بولی میں تمام قوم کو جمع کر کے ان سے کہوں گی کہ جاویدان نے اپنی وفات سے پہلے کہا تھا کہ آج رات میں نے مرنے کا قصد کیا ہے۔ لیکن میری روح تن سے مفارقت کرتے ہی بابک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور اس کی روح سے متحد ہو جائے گی۔ میرے بعد بابک ہی میری قوم کا سردار ہوگا۔ وہ جبابرہ کو ہلاک کر کے قوم کو از سر نو زندگی بخشے گا اور قوم کے درماندہ لوگوں کو آسمان عزت پر بٹھائے گا۔ یہ سن کر بابک کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور کہا: ہاں کوئی ایسی ہی تدبیر کرو۔ دوسرے دن عورت نے جاویدان کے لشکر کو جمع کر کے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ عمائد سپاہ پوچھنے لگے اس نے مرنے سے پہلے ہم لوگوں کو بلا کر کیوں وصیت نہ کی؟ عورت نے اپنی سخن تراشیوں سے سب کو مطمئن کر دیا۔ قائدین لشکر کہنے لگے ہمیں حسب وصیت اس نوجوان کی متابعت منظور ہے۔ چنانچہ سب نے اس سے بیعت کی اور عورت نے بابک سے باقاعدہ نکاح کرلیا۔

شرمناک اخلاقی تعلیم

اقبال کی کامرانی دیکھو کہ کس طرح ایک ادنیٰ خادم آسمان عزت پر نمودار ہوا اور اس کا رایت اقبال دفعتہ سپہر بریں سے باتیں کرنے لگا۔ بابک پہلے آتشکی تھا۔ پھر مزدکی بنا۔ پھر خود ایک فرقے کی بنا ڈالی جسے بابکیہ، خرمیہ، محمرہ اور خرمیہ وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے تو اپنے اندر جاویدان کی روح بتاتا تھا۔ پھر یہ کہنا شروع کیا کہ خدا کی روح نے میرے اندر حلول کیا ہے۔ اس نے اپنے پیروؤں کو عقیدہ تناسخ کی تعلیم دی اور ہنود کی طرح کہتا تھا کہ روحیں انسانوں اور حیوانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ چونکہ اس نے ہر قسم کے مذہبی اور اخلاقی قیود اٹھا کر عیش وعشرت کا بازار گرم کیا۔ پیروؤں کو حرام کاری، شراب نوشی اور دوسرے فواحشات کی اجازت دی۔ یہاں تک کہ محرمات ابدیہ سے بھی عقد مناکحت جائز کر دیا۔ اس بناء پر اس کے پیروؤں کو خرمیہ بھی کہنے لگے۔ کیونکہ خرم عیش و فرح کو کہتے ہیں۔ باوجودیکہ بابک کی اخلاقی تعلیم دنیا بھر کے فواحش کا

مجوسیہ اور سخت نفرت انگیز تھی۔ تاہم جاویدان کی قوم کے علاوہ دیلم اور اہل ہمدان واصفہان نے بھی اپنی قسمت اس سے وابستہ کر دی۔

خلافت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت وخودسری

جب بابک کے پیرووں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے ۲۰۱ھ میں خلافت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت وخودسری بلند کر دیا۔ ان ایام میں خلیفہ مامون عباسی بغداد کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ تین سال تک تو مامون کو بعض داخلی الجھنوں نے بابک کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ نہ دیا۔ اس کے بعد ۲۰۴ھ میں خلیفہ مامون نے عیسیٰ بن محمد عامل آرمینیا وآذربائیجان کو حکم دیا کہ بابک کے قلع قمع کا انتظام کرے۔ لیکن وہ بعض مجبوریوں کی بنا پر اس مہم کو سرانجام دینے سے قاصر رہا۔ ۲۰۹ھ میں خلیفہ نے علی بن صدقہ معروف بہ زریق کو آرمینیا اور آذربائیجان کی حکومت سپرد کی اور ساتھ ہی جنگ بابک کی تاکید فرمائی۔ زریق نے ایک تجربہ کار سپہ سالار احمد بن جنید کو بابکی جمعیت کے توڑنے اور بابک کو اسیر کر لانے پر متعین کیا۔ لیکن ابن جنید بابک کو قید کرنے کے بجائے خود ہی شکست کھا کر قید ہو گیا۔

بابک کی ایک اور کامیابی

۲۱۲ھ میں مامون نے محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت پر فائز کر کے بابک پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ محمد طوسی نے بابک پر چڑھائی کی اور اس کو منہزم کر کے دامن کوہ تک جا پہنچا۔ بابک نے دامن کوہ میں مقابلہ کیا اور پھر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ طوسی نے جوش کامیابی میں اس کا تعاقب کیا۔ جب کوئی تین کوس تک چڑھ گیا تو بابکیوں نے کمین گاہ سے نکل کر دفعۃً طوسی پر حملہ کیا اور بابک بھی لوٹ کر معاً طوسی پر ٹوٹ پڑا۔ طوسی کا لشکر گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بابکیوں کی ایک جمعیت نے محمد طوسی کو چاروں طرف گھیر لیا۔ محمد نے نہایت ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ لیکن زخمی ہو کر گرا اور تڑپ کر دم توڑ دیا۔ جب یہ خبر بارگاہ خلافت میں پہنچی تو خلیفہ کو سخت صدمہ ہوا۔ خلیفہ بابک کی سرکشی اور اس کے فتوحات سے آگ بگولا ہو رہا تھا اور انتقام کے لئے ہر وقت دانت پیستا تھا۔ لیکن اتفاقات ایسے پیش آئے کہ اس کے بعد کوئی اور مہم بابک کی سرکوبی کے لئے نہ بھیج سکا اور ملک الموت نے پیام اجل آسنایا۔

بابک کی پہلی دو ہزیمتیں

بابک نے شہر بذ کو اپنا ملجا و مامن بنا رکھا تھا۔ اس نے اکثر شاہی قلعوں کو جوار دبیل اور

آذربائجان کے درمیان واقع تھے۔ ویران و مسمار کر دیا تھا۔ جب خلیفہ معتصم ۲۱۸ھ میں اپنے بھائی مامون کا جانشین ہوا تو اس نے ابوسعید محمد بن یوسف کو بابک کی مہم پر مامور کیا۔ چنانچہ ابوسعید نے ان قلعہ جات کو جنہیں بابک نے مسمار کر دیا تھا از سرِ نو تعمیر کرایا اور انہیں فوج، آلات حرب اور غلہ کی بڑی مقدار سے مضبوط و مستحکم کیا۔ اس اثناء میں بابک کے کسی سریہ نے ان بلاد پر شبخون مارا۔ ابوسعید نے اس کا تعاقب کیا اور نہایت اولوالعزمی سے لوٹ کر تمام مال واپس لیا۔ بیشمار بابکیوں کو قتل اور اکثر کو گرفتار کیا اور مقتولوں کے سر اور کثیر التعداد قیدی ایک عرضداشت کے ساتھ خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دیئے۔ یہ پہلی ہزیمت تھی جو بابکیوں کو عساکر خلافت سے نصیب ہوئی۔

دوسری ہزیمت محمد بن بعیث کے ذریعہ سے ہوئی جو بابک کا معین و مددگار تھا۔ محمد بن بعیث آذربائجان کے ایک قلعہ میں فروکش تھا اور بابک کے سرایا اور افواج کو رسد پہنچایا کرتا تھا۔ اتفاق سے بابک کی پہلی ہزیمت کے بعد بابک کا ایک سپہ سالار عصمت نامی اس قلعہ کی طرف سے ہو کر گذرا۔ ابن بعیث نے اس کی دعوت کی اور اس کو عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا۔ لیکن رات کے وقت حالت غفلت میں اس کو گرفتار کر کے خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دیا اور عصمت کے تمام رفقاء کو قتل کر ڈالا۔ خلیفہ نے عصمت سے بابک کے بلاد اور قلعوں کے اسرار وخفایا دریافت کیے۔ عصمت نے تمام اسرار اور جنگی مواقع ظاہر کر دیئے۔ تاہم خلیفہ نے اسے رہا نہ کیا اور ایک فوجی سردار افشین حیدر کو جبال کی عملداری مرحمت فرما کر بابک کے مقابلہ میں بھیجا۔ افشین نے میدان کارزار میں پہنچ کر رسد کا انتظام کیا اور راستوں کو خطرات سے پاک کرنے کے خیال سے تھوڑی تھوڑی مسافت پر چوکیاں بٹھائیں اور کار آزمودہ اور تجربہ کار فوجی افسروں کو گشت اور دیکھ بھال پر متعین کیا۔

بابک کی پیہم کامیابیاں

اس کے بعد خلیفہ نے بغا کبیر کو فوج کثیر اور مال واسباب کے ساتھ افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ یہ سن کر بابک بغا کبیر پر شبخون مارنے کے قصد سے چلا۔ جاسوسوں نے افشین تک یہ خبر پہنچا دی۔ افشین نے بغا کو لکھ بھیجا کہ تم قافلہ کے ساتھ نہر تک آؤ اور قافلہ کی روانگی کے بعد پھر اردبیل کو مراجعت کرو۔ بغا نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن پھر بابک یہ خبر پا کر کہ بغا کا قافلہ قلعہ نہر کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کے ہمراہ نکل کھڑا ہوا۔ جس دن بغا سے ملنے کا وعدہ تھا افشین اس روز چپکے سے نکل کر اردبیل کو چلا گیا اور بغا کو بحفاظت تمام ابوسعید کے مورچہ پر لے آیا۔ اس اثناء میں بابک قافلہ تک پہنچ گیا۔ والئ قلعہ نہر بھی قافلہ کے ہمراہ تھا۔ بغا

سے تو بابک کی مڈبھیڑ نہ ہوئی البتہ والئی قلعہ نہر سے مقابلہ ہوا۔ بابک نے ان لشکریوں کو جو قافلہ کے ساتھ تھے تہ تیغ کر کے تمام مال واسباب لوٹ لیا۔

پھر اثنائے راہ میں بابک افشین کے فوجی سرداروں میں سے ہیثم نامی ایک افسر سے دو چار ہو گیا۔ اس کو بھی زک دی۔ ہیثم ایک قلعہ میں جا چھپا۔ بابک نے وہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اسی اثناء میں افشین اپنا لشکر لئے ہوئے آ پہنچا اور دفعتہً بابکیوں پر حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے بابکیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ نہایت بے سروسامانی سے باگ کھڑے ہوئے۔ بابکی لشکر کا بیشتر حصہ اس معرکہ میں کام آیا۔ بابک بقیۃ السیف کے ہمراہ بھاگ کر ہوقان پہنچا۔ لیکن وہاں سے پلٹ کر ایسی چال چلا کہ افشین کے لشکر کا راستہ کاٹ دیا۔ رسد اور غلہ کا آنا موقوف ہو گیا۔ اب افشین کا لشکر رسد نہ آنے سے بھوکوں مرنے لگا۔ افشین نے والئی مراغہ سے رسد طلب کی۔ لیکن جب وہاں سے آئی تو اثناء راہ میں بابکیوں نے اس کو لوٹ لیا۔ یہ خبر پا کر بغا اپنا تمام مال واسباب کسی طرح بابک کے ہاتھوں سے بچا کر افشین کے لشکر گاہ میں لایا اور لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

عساکر خلافت کی ہزیمتیں

اب افشین نے مطمئن ہو کر اپنے سپہ سالاروں کو بابک پر حصار ڈالنے کی غرض سے بڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قلعہ بذ سے چھ میل کے فاصلہ پر پہنچ کر مورچے قائم کئے اور بغا نے قریہ بذ میں داخل ہو کر لڑائی چھیڑ دی اور سخت کشت وخون کے بعد اپنی فوج کا بڑا حصہ اس معرکہ کی نذر کر کے محمد بن حمید سپہ سالار کے مورچے میں واپس آیا۔ اب بغا نے افشین سے امداد طلب کی۔ افشین نے اپنے بھائی فضل، ابو جوشن، احمد بن خلیل اور جناح الاحور کو بغا کی کمک پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ فلاں روز اور فلاں وقت بابک پر یکبارگی حملہ کرنا۔ میں بھی اسی دن وقت معہود پر اس سمت سے حملہ آور ہوں گا۔ سوء اتفاق سے وہ لوگ برسات اور شدت سرما کی وجہ سے یوم مقرر پر حملہ نہ کر سکے اور افشین نے تنہا حملہ کر دیا۔ تاہم بابک تاب مقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹا۔ افشین نے بڑھ کر اس کے مورچے پر قبضہ کر لیا۔

دوسرے دن بغا وغیرہ کثرت باراں اور شدت سرما سے تنگ آ کر کسی قائد کی رہبری سے ایک پہاڑی پر جو افشین کے لشکر گاہ کے قریب تھی چڑھ گئے۔ یہاں بھی انہیں اسی سردی اور بارش سے سابقہ پڑا۔ مزید براں برف بھی پڑ گئی۔ ہاتھ پاؤں جواب دے بیٹھے۔ وہ دن اسی حالت میں گذرے۔ ادھر بابک نے موقع پا کر افشین پر شبخون مارا اور اسے لڑ کر پیچھے ہٹنے پر مجبور

کیا۔ دوسری طرف بغا کی فوج نے غلہ و رسد کے تھڑ جانے کی وجہ سے شور و غل مچانا شروع کیا۔ بغا نے مجبور ہو کر قلعہ بذ کے عزم سے اور نیز بغرض دریافت حال افشین وہاں سے کوچ کیا۔ دور نکل آنے پر افشین کا حال معلوم ہوا۔

اب بغا بابک کے خوف سے پھر اسی پہاڑی کی طرف لوٹا اور کثرت فوج اور تنگی راہ کی وجہ سے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ بابک کے متجسس سپاہیوں نے تعاقب کیا۔ بغا نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا اور بڑی سرعت سے اس تنگ اور دشوار گزار راستہ کو طے کیا۔ اس اثناء میں رات کی سیاہ چادر عالم کائنات پر محیط ہو گئی۔ بغا نے مال و اسباب کی حفاظت کے خیال سے دامن کوہ میں ڈیرے ڈال دیئے اور چاروں طرف سپاہیوں کو پہرے پر متعین کیا۔ تھکے ماندے تو تھے ہی سب کے سب سو گئے۔ بابک نے چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بغا بحالت تباہ خندق اوّل میں چلا آیا جو اسفل کوہ میں واقع تھی۔

بغداد سے مزید افواج کی روانگی

جب خلیفہ معتصم کو عساکر خلافت کی متواتر ہزیمتوں اور ناکامیوں کا علم ہوا تو اس نے جعفر خیاط کی سرکردگی میں ایک فوج گراں افشین کی کمک پر روانہ کی اور تیس لاکھ درم مصارف جنگ کے لئے بھیجے۔ اس فوج اور مالی امداد سے افشین قوی دل ہو گیا اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ فصل ربیع کے اوائل میں بابک سے معرکہ آراء ہونے کی غرض سے آہستہ آہستہ قلعہ بذ کی طرف بڑھنے لگا۔ رات کے وقت سپاہیوں کو پہرہ پر متعین کرتا اور رات ہی کے وقت گشت کرنے کے لئے فوج بھیجتا۔ جس کے ساتھ خود بھی جاتا۔ رفتہ رفتہ قلعہ بذ کے بالمقابل ایسے مقام پر پہنچا جہاں تین پہاڑیاں ایک دوسری سے متصل واقع تھیں۔ ان تینوں پہاڑیوں کے بیچ میں ایک وسیع میدان تھا۔ افشین نے یہیں مقام کیا اور ایک راستہ کو رکھ کر باقی تمام راہوں کو پتھروں سے چن دیا۔ انہی پہاڑیوں کے قریب بابک کا لشکر بھی پڑا تھا۔

افشین کا طریق جنگ

افشین روزانہ نور کے تڑکے نماز صبح ادا کر کے نقارہ بجواتا۔ لشکری اس نقارہ کی آواز سن کر تیار ہو جاتے۔ پھر مقابلہ شروع ہوتا۔ جب تک مصروف قتال رہتا نقارہ بجتا رہتا اور جنگ کو روکنا منظور ہوتا نقارہ بند کر دیا جاتا اور جب پیش قدمی کا ارادہ ہوتا تو درہ کوہ پر ایک لشکر متعین کیا جاتا جو اس قدرتی قلعہ کی محافظت کرتا۔ ادھر بابک نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ جب افشین حملہ آور ہوتا تو چند سپاہیوں کو اسی گھاٹی کے نیچے کمین گاہ میں بٹھا دیتا اور اس کی عادت تھی کہ

ہمیشہ معدودہ چند آدمیوں کو ساتھ لاتا اور باقی فوج کمین گاہ میں رہتی۔ افشین نے ہر چند تجسس کیا مگر یہ راز نہ کھل سکا۔

افشین عموماً جعفر خیاط، احمد بن خلیل اور ابوسعید کو تین تین دستہ فوج کے ساتھ یکے بعد دیگرے میدان کارزار میں بھیجتا اور خود ایک بلند مقام پر بیٹھ کر لڑائی کا منظر دیکھتا۔ اس مقام سے بابک کا قلعہ اور محل سرائے بھی دکھائی دیتا تھا۔ افشین نماز ظہر ادا کر کے مراجعت کرتا۔ اس کے واپس ہوتے ہی اس کی فوجیں بھی یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے ترتیب وار واپس آ جاتیں۔ بابک اس طولانی جنگ سے گھبرا گیا۔

رضا کار مجاہدین کی شجاعت

ایک روز حسب معمول لشکر اسلام واپس ہوا۔ اتفاق سے جعفر خیاط پیچھے رہ گیا۔ بابک کا لشکر میدان خالی سمجھ کر قلعہ بذ سے نکل پڑا۔ جعفر خیاط نے بڑھ کر حملہ کر دیا اور بآواز بلند اپنے لشکریوں کو پکارا۔ جعفر کی فوج غنیم پر ٹوٹ پڑی اور لڑائی دوبارہ چھڑ گئی۔ جعفر کی فوج میں مطوعہ یعنی رضا کاروں کا بھی ایک گروہ تھا۔ جو جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے لشکر اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ ان رضا کاروں نے افشین کی مرضی پائے بغیر از خود اس شدت کا حملہ کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ کمندیں ڈال کر قلعہ پر چڑھ جائیں گے۔ یہ دیکھ کر جعفر نے افشین سے پانسو تیر اندازوں کی امداد طلب کی۔ افشین نے کہلا بھیجا کہ تم امدادی فوج کا انتظار نہ کرو۔ جہاں تک ممکن ہو آہستہ آہستہ حکمت عملی سے واپس چلے آؤ۔ کیونکہ جنگ کا عنوان خطرناک ہو رہا ہے۔ اس عرصہ میں رضا کار مجاہد حملے کرتے ہوئے قلعہ بذ تک پہنچ گئے۔ بابک کے وہ سپاہی جو کمین گاہ میں تھے یہ سمجھ کر کہ دشمن قلعہ تک پہنچ گیا ہے۔ کمین گاہ سے نکل آئے۔ افشین پر اس قلعہ کا سارا راز اور کمین گاہ کا حال کھل گیا۔ جعفر آہستہ آہستہ لڑتے لڑتے اپنے مورچے کی طرف واپس آ گیا۔

قائد اعظم سے رضا کار مجاہد کی شکایت

جعفر نماز مغرب ادا کر کے افشین کے پاس آیا۔ افشین نے عدول حکمی اور خلاف مرضی جنگ میں اقدام کرنے سے اظہار ناراضی کیا۔ جعفر اپنے قائد اعظم کے امداد نہ بھیجنے پر اظہار ملال کرنے لگا۔ لیکن دونوں نے معقول وجوہ پیش کیئے اور صفائی ہو گئی۔ اب رضا کاروں نے حاضر خدمت ہو کر قلت رسد و مصارف کی شکایت کی۔ افشین نے جواب دیا کہ جو شخص قلت مصارف اور گرسنگی کی تکلیف پر صبر کر سکے وہ ہمارے ساتھ رہے۔ ورنہ اپنا راستہ لے۔ امیر المؤمنین کے لشکر میں بفضلہ تعالیٰ جنگ آوروں کی کمی نہیں۔ رضا کار مجاہدین یہ کہتے ہوئے

واپس ہوئے کہ ہم تو قلعہ بذ کو بات کی بات میں فتح کر لیتے مگر امیر عسکر ناحق التواء ڈال کر ہم لوگوں کو ثواب جہاد سے محروم کرتا ہے۔ اگر ہم کو اب بھی حملہ کا حکم دے تو ہم دشمن کو اپنی تلوار کے جوہر دکھاویں۔ جاسوسوں نے یہ بات افشین کو جاسنائی اس نے مجاہدوں کو طلب کر کے تسلی دی اور علی الصباح جنگ کرنے کا حکم دیا۔ جس وقت رضا کاروں نے دھاوا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا خود بھی اسی وقت حملہ کرنے کا وعدہ کیا۔

قائد اعظم افشین نے ان لوگوں کو مال واسباب، پانی، خوراک اور آلات حرب خاطر خواہ دے کر خوب قوی پشت کیا۔ زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھالانے کے لئے خچروں پر محملیں رکھواویں اور جعفر کو اسی مورچے کی طرف بڑھنے کا حکم دیا جہاں تک کل پیش قدمی کی تھی۔

قلعہ کی فصیلیں توڑنے کے لئے سفر مینا کی روانگی

دوسرے دن افشین نے تیر اندازوں، نفاطوں اور نامی گرامی جنگ آزماؤں کو منتخب کر کے ایک لشکر مرتب کیا اور رضا کار مجاہدوں کو اپنے ساتھ ہونے میدان جنگ میں آیا۔ بابکیوں نے قلعہ سے تیر باری شروع کی۔ جعفر کی فوج اپنے کو بابک کے حملوں سے بچاتی ہوئی قلعہ بذ کی فصیلوں تک پہنچ گئی۔ اب جعفر کمال مردانگی واستقلال سے دروازۂ بذ پر پہنچ کر لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ دوپہر ڈھل گئی۔ افشین نے حسب ضرورت ان لوگوں کے لئے کھانا اور پانی روانہ کیا اور سفر مینا کو بھی قلعۂ بذ کی فصیلوں کے توڑنے کے لئے کدالوں اور پھاوڑوں کے ساتھ بھیجا۔ یہ دیکھ کر بابک قلعہ کا دروازہ کھول کر نکل آیا اور اپنے پرزور حملہ سے رضا کاروں کو قلعہ کی فصیل سے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ کبھی تو بابک کا لشکر رضا کاروں کو قلعہ کی فصیل سے پسپا کر دیتا تھا اور کبھی رضا کار بابکیوں کو مار مار کر قلعہ میں بھگا دیتے۔

قلعہ بذ پر لشکر اسلام کا قبضہ

دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی۔ بابک نے عنوان جنگ بگڑا ہوا دیکھ کر افشین کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے جنگ سے صرف اتنی مہلت دو کہ میں اپنے اہل وعیال کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر سکوں۔ بعد ازاں قلعہ بذ کی کنجیاں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ افشین نے ہنوز نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ عساکر اسلام نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے اور خدا کے فضل سے اس کے بلند میناروں پر خلیفۃ المسلمین کا جھنڈا نصب ہو گیا ہے۔ افشین سجدہ شکر بجالا کر قلعہ میں داخل ہوا۔ بہت سامال غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

بابک کی ماں اور بھائی کی گرفتاری

بابک نے اپنے اہل وعیال کو دوسرے مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ بھاگتے وقت جس قدر مال واسباب اٹھا سکا اٹھا لے گیا۔ افشین نے حکام آرمینیا کو بابک کے فرار کا حال لکھ کر اس کی گرفتاری کے نہایت تاکیدی احکام بھیجے۔ اتنے میں جاسوس نے آ کر اطلاع دی کہ بابک اس وقت فلاں وادی میں ہے۔ افشین نے فی الفور چند آدمی اس کی گرفتاری پر متعین کئے۔ اتنے میں بابک اس وادی سے اپنے بھائیوں عبداللہ اور معاویہ اور اپنی ماں کو ساتھ لے کر بعزم آرمینیا نکل کھڑا ہوا۔ اتفاق سے ان محافظین میں سے اس پر کسی کی نظر پڑ گئی جو گرفتاری کے لئے متعین کئے گئے تھے۔ محافظ نے اپنے سردار ابوالسفاح کو اطلاع دی کہ بابک بھاگا جا رہا ہے۔ ابوالسفاح نے تعاقب کا حکم دیا۔ انہوں نے ایک چشمہ پر جا کر اسے گھیر لیا۔ بابک خود تو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا۔ لیکن اس کی ماں اور اس کا بھائی معاویہ گرفتار کر کے افشین کے پاس بھیج دیئے گئے۔

بابک کی گرفتاری

اب بابک جبال آرمینیا میں جا کر روپوش ہوا۔ جاسوس اس کے تعاقب میں تھے۔ اتنے میں بابک کا زاد راہ ختم ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو کچھ زر نقد دے کر کھانا لانے کو بھیجا۔ اتفاق سے پولیس کے افسر اعلیٰ سہل بن ساباط نے اس کو دیکھ لیا۔ چال ڈھال سے تاڑ گیا کہ بابک کا آدمی ہے۔ سہل بن ساباط اس شخص کو لئے ہوئے بابک کے پاس آیا۔ بابک کا چہرہ پولیس کو دیکھتے ہی فق ہو گیا۔ سہل بن ساباط اس کو دم پٹی دے کر قلعے میں لے آیا اور چپکے سے افشین کو اس کی اطلاع بھیج دی۔ افشین نے دو فوجی افسروں کو بابک کی گرفتاری پر مامور کیا۔ انہوں نے جا کر اس کو گرفتار کر لیا اور افشین کے پاس لے آئے۔ افشین نے اس حسن خدمت کے صلہ میں افسر پولیس کو ایک لاکھ درم نقد اور ایک جواہر نگار پیٹی انعام دی۔

اس کے بعد عیسیٰ بن یوسف والئی بلقان نے عبداللہ برادر بابک کو جو کچھ دنوں سے اس کے پاس پناہ گزین تھے افشین کی طلبی پر اس کے پاس بھیج دیا۔ افشین نے دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ کر دیا اور بابک کی گرفتاری کی اطلاع بارگاہ خلافت میں بھیج دی۔ خلیفہ نے شوال ۲۲۲ھ میں افشین کے نام حکم بھیجا کہ اپنے دونوں قیدیوں کو لے کر بغداد آؤ۔

افشین کی غیر معمولی عزت افزائی

مرزندے لے کر سامرہ تک ہر منزل پر خلیفہ معتصم کے حکم سے افشین کا انتہائی عزت

واحترام سے استقبال کیا جاتا تھا اور خلیفہ کا خاص قاصد خلعت فاخرہ اور ایک راس عربی گھوڑا لئے ہوئے افشین سے ملتا تھا۔ جب افشین سامرہ کے قریب پہنچا تو خلیفہ معتصم کا بیٹا واثق باللہ اراکین سلطنت کو لئے ہوئے بغرض استقبال سامرہ سے باہر آیا اور کمال توقیر سے قصر مطیرہ میں ٹھہرایا۔ افشین نے اسی قصر میں بابک کو بھی اپنے زیر حراست رکھا۔ خلیفہ کے حکم سے افشین کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اسے بیش قیمت خلعت پہنایا گیا۔ اس کو بیس لاکھ درہم انعام دیئے اور دس لاکھ درہم اس کی فوج میں تقسیم کیے گئے۔

قتل کے وقت بابک کا استقلال

انہی ایام میں جب کہ بابک قصر مطیرہ میں مقید تھا۔ خلیفہ معتصم محل میں آیا اور بابک کو سر سے پیر تک بنظر غور دیکھتا رہا اور چلا گیا۔ دوسرے دن خلیفہ دربار عام میں رونق افروز ہوا۔ لوگوں کو حسب مراتب دربار عام سے قصر مطیرہ تک بٹھایا اور حکم دیا کہ بابک کو ہاتھی پر سوار کر کے دربار میں حاضر کریں۔ کسی شخص نے بابک سے کہا تم اپنی زندگی میں ایسی ایسی بدکرداریوں کے مرتکب رہے جو تم سے پہلے شاید کسی انسان سے سرزد نہ ہوئی ہوں گی۔ اب ان کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن اب تجھے صبر سے کام لینا چاہیے۔ بابک نے کہا تو عنقریب میرے ثبات واستقلال کو دیکھے گا۔

خلیفہ نے اس کا ایک ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا۔ جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔ بابک نے جھٹ کٹے ہوئے ہاتھ کے خون سے اپنا چہرہ رنگ لیا۔ کسی نے پوچھا چہرہ سرخ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ بولا ایسا نہ ہو کہ خون نکلنے سے چہرہ پیلا پڑ جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگیں کہ بابک موت سے ڈر گیا۔ اس کے بعد اس کے اعضا قطع کیے گئے۔ اس اثناء میں اس کی طرف سے اضطراب و بے چینی کی کوئی ادنیٰ خدمت بھی ظاہر نہ ہوئی۔

محاربات بابک کے مالی وجانی نقصانات

افشین آخری مہم میں بزمانہ حصار بابک غلہ اور مصارف سفر و قیام کے علاوہ جس روز میدان جنگ میں جاتا تھا دس ہزار درہم یومیہ صرف میں لاتا تھا اور جس دن اپنے مورچے میں رہتا تھا پانچ ہزار خرچ کرتا تھا۔ بابک کا فتنہ بیس سال تک ممتد رہا۔ ان معرکوں میں دو لاکھ پچپن ہزار پانچ سو اور دوسری روایت کے بموجب ایک لاکھ پچپن ہزار مسلمان جرعہ شہادت سے سیراب ہوئے۔ سات ہزار چھ سو مسلم خواتین اور بچے بابکیوں کے پنجۂ ظلم سے چھڑائے گئے۔ ان سب قیدیوں کو بغداد لا کر ایک وسیع احاطہ میں ٹھہرایا گیا۔ ان میں سے جس کسی کا کوئی والی وارث آتا تو

اس سے شہادت لی جاتی اور بعد ثبوت ولایت ووراثت اس کے حوالے کر دیا جاتا۔

(تاریخ ابن خلدون، کامل ابن اثیر، کتاب الفرق بین الفرق)

۱۳...... علی بن محمد ازراقی

علی بن محمد موضع ورزنین مضافات رے میں پیدا ہوا۔ مذہباً خوارج کے فرقہ ازارقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتداء میں وجہ معاش یہ تھی کہ خلیفہ منتصر عباسی کے بعض حاشیہ نشینوں کی مدح وتوصیف میں قصیدے لکھ کر کچھ انعام حاصل کر لیتا تھا۔ ۲۴۹ھ میں بغداد سے بحرین گیا اور دعوائے نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہوا۔ کہتا تھا کہ مجھ پر بھی کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اس نے اپنا ایک صحیفہ آسانی بنا رکھا تھا۔ جس کی بعض سورتوں کے نام سبحان، کہف اور ص وغیرہ تھے۔ کہتا تھا کہ خدائے برتر نے میری امامت ونبوت کی اتنی نشانیاں ظاہر کی ہیں جو حد وحصر سے خارج ہیں۔ بحرین کے اکثر قبائل نے اس کی متابعت اختیار کی۔ اس شخص نے ۲۵۲ھ سے لے کر ۲۷۰ھ تک اٹھارہ سال کا طویل زمانہ عالم اسلام میں بڑی دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔

حبشی غلاموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے کی عجیب چال

قریباً پانچ سال تک بحرین میں اقامت گزیں رہنے کے بعد ایک دن اپنے دام افتادوں سے کہنے لگا کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ یہاں سے بصرہ جاؤں اور وہاں کے لوگوں کو نجات اخروی کا راستہ دکھاؤں۔ چنانچہ چند پیروؤں کی معیت میں بصرہ چلا آیا۔ بصرہ میں وہ ایک عجیب چال چلا۔ اس نے اپنی قوت وجمعیت کو غیر معمولی ترقی دینے کے لئے اعلان کیا کہ جو جو حبشی غلام میری پناہ میں آجائیں گے میں ان کو آزاد کر دوں گا۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ حبشی غلام اطراف واکناف ملک سے بھاگ بھاگ کر اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ اس طرح ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ اس نے ایک پر جوش تقریر کر کے ان کو ملک ومال سے بہرہ مند کرنے کا یقین دلایا۔ حسن سلوک اور احسان کرنے کی قسم کھائی۔ ایک ریشمیں ٹکڑے پر "ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ" لکھ کر رایت بنایا اور ایک بلند مقام پر نصب کرا دیا۔

غلاموں کا آقاؤں کو مارنا اور قید کرنا

اس اقدام سے زنگی غلاموں کے آقاؤں کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ آقا ایک ایک دو دو کر کے اپنے غلاموں کی نسبت کہنے سننے کو آتے۔ علی نے اشارہ کر دیا۔ زنگی غلاموں نے اپنے آقاؤں کو مارنا اور قید کرنا شروع کیا۔ شرفائے بصرہ یہ رنگ دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ آخر علی نے ان تمام

آقاؤں کو جنہیں حبشی غلاموں نے قید کر رکھا تھا رہا کر دیا۔ زنگی غلام ملک کی ہر طرف سے جوق جوق اس کے جھنڈے تلے آ کر اپنے کو غلامی سے آزاد کراتے جا رہے تھے۔ یہ شخص ہر وقت اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے حبشیوں کو ابھارتا اور انہیں ملک و مال پر قبضہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ حبشیوں کی ایک کثیر تعداد اس کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو ہر وقت تیار تھی۔

اہل شہر نے آئندہ خدشات کے پیش نظر باہم اتفاق کر کے اس کانٹے کو نکال دینا چاہا اور بڑی جمعیت کے ساتھ اس پر چڑھ آئے۔ لیکن ہزیمت اٹھائی اور ان کے سینکڑوں آدمی کام آئے۔ اہل بصرہ نے ان حالات سے خلیفہ کو مطلع کیا۔ دربار خلافت نے جعلان نامی ایک ترک افسر فوج کے ساتھ اہل بصرہ کی کمک پر بھیجا۔ لیکن اس نے شکست کھائی۔ علی نے کامیابی کے ساتھ اس کے لشکر گاہ کو لوٹا۔ اہل بصرہ کی اکثریت زنگیوں کے خوف سے شہر خالی کر کے اطراف و جوانب بلاد میں بھاگ گئی۔ اس طوفان بلا کے فرو کرنے کو دربار خلافت سے یکے بعد دیگرے دو اور سپہ سالار بھیجے گئے۔ مگر دونوں ہزیمت کھا کر اور مال و اسباب چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ زنگی مال و دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اس وقت علی کا رایت اقبال کامیابی کی فضا میں لہرا رہا تھا۔

علی کے فتوحات

علی نے ۲۵۲ھ میں بزور تیغ ایلہ میں گھس کر وہاں کے عامل عبیداللہ بن حمید اور اس کی مختصر سی فوج کو تہ تیغ کیا اور شہر کو آگ لگا دی۔ ایلہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اب اہواز تک سارا علاقہ علی کے حیطۂ اقتدار میں تھا۔ اس کے بعد علی نے اہواز کو جا لوٹا اور وہاں کے عامل ابراہیم بن مدبر کو گرفتار کر لیا۔ ۲۵۷ھ میں خلیفہ معتمد نے ایک مشہور سپہ سالار سعید بن صالح کو زنگیوں کی سرکوبی پر متعین کیا۔ سعید نے علی کے مستقر پر پہنچ کر ان پر حملہ کیا اور انہیں میدان جنگ سے بھگا دیا۔ لیکن جب وہ دوبارہ اپنی قوت مجتمع کر کے برسر مقابلہ ہوئے تو سعید کو اس معرکہ میں ناکامی ہوئی اور اس کے اکثر ساتھی کام آ گئے اور وہ خائب و خاسر دار الخلافہ سامرا (متصل بغداد) واپس آ گیا۔

اب خلیفہ معتمد نے جعفر بن منصور خیاط کو جو بابک کی لڑائیوں میں نام پا چکا تھا زنگیوں کی گوشمالی پر متعین فرمایا۔ جعفر نے جا کر پہلے تو کشتیوں کی آمد و رفت روک دی۔ جس سے زنگیوں کی رسد بند ہو گئی۔ اس کے بعد زنگیوں سے جنگ کرنے کو روانہ ہوا۔ مگر شکست کھا کر بحرین چلا آیا۔ جس وقت سے جعفر زنگیوں سے شکست کھا کر بحرین آیا تھا ان کے مقابلہ پر جانے سے جی چراتا اور کشتیوں کی اصلاح، خندقوں کی کھدائی اور مورچہ بندی پر اکتفا کر رہا تھا۔ اب علی نے اپنے ایک سپہ سالار ابن ریان کو جعفر پر محاصرہ ڈالنے کی غرض سے بصرہ پر از سر نو چڑھائی کرنے کو بھیجا۔

اس نے نصف شوال ۲۵۷ھ میں بصرہ کو بزور تیغ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو نہایت سفاکی سے قتل و غارت کر کے واپس آیا۔ اس پر بھی اس کے بے رحم دل کو تسکین نہ ہوئی، وہ دوبارہ قتل و غارت کرتا ہوا بصرہ گیا۔ اہل بصرہ نے امان طلب کی۔ ابن ریان نے امان دے کر تمام اکابر شہر کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو سب کو جرعہ مرگ پلا دیا۔

جب بصرہ کی تباہی و بربادی کی خبریں، سامرہ (بغداد) پہنچیں تو خلیفہ معتمد نے ایک سپہ سالار محمد کو جو مولد کے لقب سے مشہور تھا ایک لشکر جرار کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ اہل بصرہ نے رو رو کر حبشیوں کے ظلم و جور کی داستانیں سنائیں۔ مولد نے اہل بصرہ کو اور اپنے لشکر کو مرتب کر کے زنگیوں پر دھاوا کیا۔ علی نے اپنے فوجی افسر یحییٰ بن محمد کو مولد کے مقابلہ پر بھیجا۔ دس روز تک لڑائی ہوتی رہی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ علی نے ابولیث اصفہانی کو یحییٰ کی کمک پر بھیجا اور حالت غفلت میں شبخون مارنے کی ہدایت کی۔ زنگیوں نے اسلامی لشکر پر شبخون مارا۔ رات بھر اور پھر صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ مغرب کے وقت مولد نے شکست کھائی۔ زنگیوں نے اس کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ زنگیوں نے جامدہ تک منہزم لشکر کا تعاقب کیا۔

شاہزادہ ابوالعباس کی روانگی

اس کے بعد مسلسل نو سال تک یہ حالت رہی کہ دارالخلافہ بغداد سے سپہ سالار فوجیں دے کر بھیجے جاتے تھے۔ لیکن وہ زنگیوں کی تاب مقاومت نہ لاتے اور تمام مال و اسباب اعداء کی نذر کر کے بھاگ آتے رہے۔ آخر خلیفہ نے سالہا سال کی ہزیمتوں سے ملول ہو کر اپنے بھتیجے ابوالعباس معتضد بن موفق کو (جو آئندہ چل کر خلیفہ معتمد کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہو کر معتضد باللہ کے لقب سے مشہور ہوا) زنگیوں کی مہم پر روانہ کیا۔ ابوالعباس ربیع الثانی ۲۶۶ھ میں دس ہزار پیادہ و سوار فوج کی جمعیت سے زنگیوں کی طرف روانہ ہوا۔ علی نے اس مہم کے لئے بے شمار فوجیں فراہم کی تھیں۔ علی نے سن رکھا تھا کہ ابوالعباس ایک نوجوان شاہزادہ ہے جسے معرکہ آرائی میں مطلق دخل نہیں۔ اس لئے علی نے یہ خیال پختہ کر لیا کہ اوّل تو ابوالعباس ہماری کثرت سپاہ سے مرعوب ہو کر برسر مقابلہ نہ آئے گا اور اگر اس کی جرأت بھی کی تو پہلے حملہ میں اس کے دانت ایسے کھٹے کر دیئے جائیں گے کہ مدت العمر لڑائی کا نام نہ لے گا۔

اسلامی لشکر کی پہلی فتح

ابوالعباس نے ایک قصبہ میں جس کا نام صلح تھا پہنچ کر فریق مخالف کی خبریں لانے کے لئے جاسوس دوڑائے۔ انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ زنگیوں کا لشکر بھی آ پہنچا ہے۔ ان کا پہلا حصہ

قصبہ صلح کے اس کنارے پر ہے اور آخری حصہ نشیبی واسط تک پھیلا ہوا ہے۔ ابوالعباس ان کے مقابلہ میں متعارف راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ سے روانہ ہوا۔ سر راہ غنیم کے مقدمۃ الجیش سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابوالعباس نے پہلے تو اپنی زبردست یلغار سے زنگیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ مگر پھر مصلحتاً خود پیچھے کو ہٹا۔ زنگی اس کی اس پسپائی سے قوی دل ہو کر بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ ابوالعباس نے اس سے پیشتر دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا بھی روانہ کر دیا تھا۔ جس کی قیادت ابوحمزہ نصیر کے سپرد تھی۔ اس وقت نصیر بھی وہاں سے قریب ہی اپنی فوج کو ایک طرف لئے پڑا تھا۔ جب زنگی بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تو ابوالعباس نے للکار کر کہا نصیرا کیا دیکھتے ہو۔ یہ کتے اب آگے نہ بڑھنے پائیں۔ نصیر یہ آواز سن کر ایک دوسری جانب سے جس طرف کہ زنگیوں کو کوئی وہم وگمان نہ تھا اپنا ٹڈی دل لئے ہوئے نکل پڑا۔ زنگی حواس باختہ ہو گئے۔ کچھ سوجھائی نہ دیا کہ کیا کریں۔ عالم سراسیمگی میں دریا کی طرف بھاگے۔ ابوالعباس نے رومال (یا جھنڈی) کے اشارے سے جنگی کشتیوں کی فوج کو بھی معاً حملہ کا حکم دیا۔ الغرض حبشی چاروں طرف سے حملہ کی زد میں آ گئے۔ آخر جدھر راستہ پایا سخت بدحواسی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسلامی لشکر نے چھ کوس تک تعاقب کیا اور غنیم کے لشکرگاہ میں جو کچھ تھا لوٹ لیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو شاہی فوج کو سالہا سال کی متواتر اور مسلسل ہزیموں کے بعد زنگیوں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔

ابوالعباس کی دوسری فتح عظیم

اس کے بعد ابوالعباس نے واسط سے ایک کوس ہٹ کر پڑاؤ کیا۔ اب دونوں فریق ازسرنو اپنی اپنی سپاہ کی اصلاح اور ضروریات حرب کی ترتیب میں مصروف ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد زنگیوں کا ایک سپہ سالار سلیمان بن جامع اپنے لشکر کو تین حصوں میں منقسم کر کے تین طرف سے حملہ کرنے کی غرض سے ابوالعباس کی طرف بڑھا اور فوج کے چند دستوں کو کشتیوں پر سوار کر کے براہ دریا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ بھانپ کر ابوالعباس اور نصیر نے اپنی ہمت و توجہ دریائی حملہ کی روک تھام پر مبذول کی اور اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو خشکی پر دست بدست لڑنے کا اشارہ کیا۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ دوپہر تک آتش حرب شعلہ زن رہی۔ ظہر کے وقت زنگی ہمت ہار بیٹھے اور نہایت افراتفری اور بے ترتیبی کے ساتھ بخوف جان بھاگنے لگے اور اس کے بعد ان میں عام بھگدڑ مچ گئی۔ لشکر اسلام غنیم کو موت کے گھاٹ اتارنے اور قید کرنے میں مشغول ہوا۔ زنگیوں کی تمام جنگی کشتیاں گرفتار کر لی گئیں۔ ہزارہا زنگی موت کے گھاٹ اترے۔ ابوالعباس فتح کے پھریرے اڑاتا ہوا اپنے لشکرگاہ پر واپس آیا۔

باپ کا بیٹے کی کمک پر آنا

ان دو کامیابیوں کے بعد عساکر خلافت کے لئے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ اس کے بعد زنگیوں کو بہت سی اور ہزیمتیں ہوئیں۔ جن کی تفصیل بخوف طوالت قلم انداز کی جاتی ہے۔ جب زنگیوں کے خانہ ساز نبی کو اپنی ناکامیوں کا علم ہوا تو اس نے اپنے دونوں سپہ سالاروں سلیمان بن جامع اور ابن ابان کو متفرق و منتشر ہو کر لڑنے پر ملامت کی اور دونوں کو مجموعی قوت سے ابوالعباس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ابوالعباس تنہا زنگیوں کے مقابلہ پر لڑ رہا تھا اور اس نے نصرت الٰہی کے بل پر نوعمری اور ناتجربہ کاری کے باوجود نہایت نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ جب ابوالعباس کے والد اور خلیفۃ المسلمین کے بھائی موفق کو عساکر خلافت کے فتوحات کا حال معلوم ہوا تو سجدۂ شکر بجا لایا اور جب یہ سنا کہ سلیمان اور ابن ابان یکجا ہو کر اس کے بیٹے ابوالعباس پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں تو خلیفہ نے استصواب رائے سے بہ نفس نفیس ۲۶۷ھ میں ایک فوج گراں کے ساتھ بغداد سے کوچ کیا۔ جب واسط پہنچا تو اپنے ہونہار فرزند ابوالعباس سے ملا۔ موفق نے ابوالعباس کے فوجی افسروں کو خلعت گراں بہا سے اور فوج کو انعامات سے سرفراز فرمایا۔

دشمن کا قتل عام، ہزاروں زنگی اسیر

دوسرے دن موفق نے نہر شداد پر جا کر قیام کیا۔ تیسرے دن ابوالعباس نے محاصرے کے قصد سے منیعہ کی طرف کوچ کیا۔ موفق بھی دریا کی راہ سے منیعہ کی طرف بڑھا اور ۸ ربیع الثانی ۲۶۷ھ کو دونوں باپ بیٹا نے دو طرف سے منیعہ پر دھاوا کیا۔ زنگیوں کو موفق کی آمد کی خبر نہ تھی۔ دریا کی طرف سے حالت غفلت میں جھرمٹ باندھ کر ابوالعباس کے مقابلہ پر جمع ہوئے۔ آتش جنگ شعلہ زن ہوئی۔ دفعۃً موفق نے دریا کی طرف سے حملہ کر دیا۔ حبشی جونہی اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو کر حفاظت شہر کے طرف مائل ہوئے ابوالعباس کے سپاہی بھی انہی کے ساتھ شہر میں گھس پڑے۔ حبشیوں کا خوب قتل عام ہوا اور ہزاروں قید ہوئے۔ قریباً ڈیڑھ ہزار مسلمات زنگیوں کے پنجۂ ظلم سے رہا کی گئیں۔ بے حساب رسد و غلہ ہاتھ آیا۔ زنگیوں کا سپہ سالار شعرانی اپنی بچی کھچی ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر جنگل میں جا چھپا۔

شہر منصورہ پر لشکر اسلامی کی یلغار

اس کے بعد ایک زنگی افسر نے رات کے وقت ابوالعباس کے پاس آ کر امان کی درخواست کی۔ ابوالعباس نے امان دے کر زنگی سپہ سالار سلیمان بن جامع کا حال دریافت کیا۔

اس نے بتایا کہ ابن جامع اس وقت شہر منصورہ میں ہے۔ ابوالعباس نے جا کر اپنے والد کو اس سے مطلع کیا۔ موفق نے فوراً منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم صادر کیا اور خود بھی اس کے بعد ہی کوچ کر دیا۔ منصورہ کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر مورچہ بندی کی۔ دوسرے دن زنگیوں سے مقابلہ ہوا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مغرب کا وقت آ گیا۔ موفق اپنے کیمپ (لشکرگاہ) کو واپس آیا اور خودساختہ نبی کی فوج نے منصورہ کو مراجعت کی۔ موفق نے آخر شب میں بیدار ہو کر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور جنگی کشتیوں کو دریا کی راہ سے منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس اثناء میں سپیدہ صبح نمودار ہوا۔ موفق نے نماز صبح باجماعت ادا کر کے دیر تک مالک الملک جل سلطانہ، کی جناب میں حضور قلب سے دعا کرتا رہا۔ جونہی افق پر سرخی نمایاں ہوئی۔ دھاوا کا حکم دے دیا۔

منصورہ کی تسخیر

عساکر خلافت کا ایک دستہ ابوالعباس کے زیر قیادت شیر غرّاں کی طرح ڈکارتا ہوا شہر پناہ کے قریب پہنچ گیا۔ دوپہر تک بڑے زور شور سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر زنگیوں کے پیر اکھڑ گئے۔ عساکر خلافت نے تعاقب کیا۔ زنگیوں نے اپنی خندقوں کے پاس پہنچ کر پھر لڑائی شروع کر دی۔ اتنے میں جنگی کشتیاں دریا کی راہ سے شہر کے کنارے پر پہنچ گئیں۔ خلیفہ کی دریائی فوج نے خشکی پر اتر کر شہر کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس اثناء میں ابوالعباس کا دستہ فوج خندق پر لکڑی کا مختصر سا پل بنا کر عبور کر گیا۔ زنگیوں نے گھبرا کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ غرض زنگی بری طرح منہزم ہوئے۔ ہزاروں قتل اور ہزارہا قید کئے گئے۔ ابن جامع بقیۃ السیف کو لے کر بھاگ گیا۔ موفق نے کامیابی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ دس ہزار مسلم خواتین اور بچوں کو جن میں زیادہ تر سادات کے زن و فرزند تھے خانہ ساز نبی کے پیروؤں کی غلامی سے نجات دلائی گئی۔ سلیمان بن جامع کے اہل و عیال بھی گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں اور مرتدین میں متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں لشکر خلافت مظفر و منصور رہا۔ موفق نے غنیم کے اکثر بلاد فتح کر لئے۔ زنگیوں کا نامور سپہ سالار ریحان بن صالح اور بہت دوسرے زنگی امان کے طالب ہوئے۔

شہر مختارہ کا محاصرہ

اب مسلمانوں نے شہر مختارہ کا محاصرہ کیا۔ موفق نے رات کے وقت نقشہ جنگ اور فصیلوں کی کیفیت کا معائنہ کرنے کے لئے شہر کے اردگرد چکر لگایا۔ فصیلیں نہایت مستحکم تھیں۔ چاروں طرف چوڑی چوڑی خندقیں شہر کو اپنے آغوش عاطفت میں لئے ہوئے تھیں۔ علی الصباح ابوالعباس کو دریا کی راہ سے کشتیوں کے ساتھ بڑھنے کا حکم دیا اور خود فوج مرتب کر کے خشکی کی راہ

سے مختارہ پر دھاوا کیا۔ ابوالعباس نے نہایت چابک دستی سے اپنی جنگی کشتیوں کو شہر پناہ سے جا ملایا۔ قریب تھا کہ خشکی پر اتر پڑتا۔ زنگیوں نے دیکھ لیا۔ شور وغل مچاتے ہوئے دوڑ پڑے اور منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ یہ رنگ دیکھ کر موفق نے اپنے فرزند کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ ابوالعباس کی کشتیوں کے ساتھ زنگیوں کی دو کشتیاں بھی ملاحوں کے ساتھ چلی آئیں۔ ان لوگوں نے امان کی درخواست کی۔

موفق نے نہ صرف انہیں امان دی بلکہ انعام واکرام سے بھی نوازا اور مرہون منت کیا۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ طالبان امان کی آمد شروع ہو گئی۔ علی نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً دہانہ دریا پر چند آدمیوں کو مامور کیا۔ تا کہ اس کی جنگی کشتیاں حریف کے سایہ عاطفت میں جا کر طالب امان نہ ہوں۔ ۱۵؍شعبان ۲۶۷ھ کو پچاس ہزار اسلامی لشکر کا سیلاب دریا خشکی کی طرف سے مختارہ کی طرف بڑھا۔ اس معرکہ میں زنگیوں کی تعداد تین لاکھ کے قریب تھی۔ مگر موفق نے قلت تعداد کے باوجود اس خوبی سے شہر کا محاصرہ کیا کہ حریف کے دانت کھٹے کر دیئے۔

شہر موفقیہ کی تاسیس وتشیید

موفق مختارہ کو حالت محاصرہ میں چھوڑ کر وہاں سے قریب ایک مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں موفقیہ نامی ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ شہر کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا۔ فوجی چھاؤنی اور جنگی کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ تھوڑے دنوں میں فوجیوں، سرداروں اور عوام کے بے شمار مکان ہو گئے۔ جامع مسجد بن گئی اور دارالامارۃ کی تعمیر بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔ آبادی کے لئے تمام ممالک محروسہ میں تجار کے نام گشتی فرمان بھجوا دیئے۔ آناً فاناً ہر قسم کے سامان اور مایحتاج کی دکانیں کھل گئیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور ضروریات زندگی کا دوسرا سامان بکثرت مہیا ہونے لگا۔ موفق ایک مہینہ تک اسی انتظام میں مصروف رہا۔

لشکر اسلام پر حالت نماز میں حملہ کرنے کی سازش

علی نے طول محاصرہ اور طوالت قیام بلاقتال سے مضطرب و پریشان ہو کر ابن ابان سپہ سالار کو حالت غفلت میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ رات کی تاریکی میں بغیر روشنی کے دریا عبور کرو اور نہایت تیزی سے چار پانچ کوس کا چکر کاٹ کر صبح صادق نمودار ہونے پر ایسے وقت میں کہ موفق کی فوج ادائے نماز میں مصروف ہو۔ پس پشت سے حملہ کر دو۔ تم جونہی حملہ کرو گے میں بھی معاً مقابلہ پر پہنچ جاؤں گا۔ اس قرارداد کے بموجب ابن ابان آدھی رات سے پہلے اپنی فوج سمیت دریا عبور کر گیا۔ جاسوسوں نے موفق کو اس کی اطلاع دی۔

موفق نے فی الفور اپنے لائق فرزند کو ابن ابان کی مدافعت و معرکہ آرائی پر روانہ کیا۔ ابوالعباس نے تیس جنگی جہاز اور پندرہ جنگی کشتیاں دریا کی حفاظت پر مامور کیں تاکہ ابن ابان بحالت ہزیمت وفرار دریا عبور نہ کر سکے اور خود ایک ہزار سواروں کی جمعیت سے اس راستہ پر جا کر کمینگاہ میں چھپ رہا۔ جس طرف سے ابن ابان آنے والا تھا۔ جونہی ابن ابان اس راہ سے گزرا ابوالعباس نے حملہ کر دیا۔ اعداء اس اچانک وغیر متوقع حملہ سے بے اوسان ہو کر بھاگے۔ عباسی سواروں نے تلواریں بے نیام کر کے زنگیوں کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا۔ زنگی بدحواسی کے عالم میں دریا کی طرف بھاگے۔ بحری فوج عبور کی راہ میں حائل ہوئی۔ اکثر زنگی کام آئے۔ بہتیرے دریا میں ڈوب مرے اور بے شمار قید کر لئے گئے۔ صبح ہوتے ہوتے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

خانہ ساز نبی کا پھوٹ پھوٹ کر رونا

طلوع آفتاب سے پہلے اختتام جنگ کے بعد ابوالعباس نے میدان جنگ ہی میں نماز صبح باجماعت ادا کی۔ پھر قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو لئے ہوئے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ موفق نے اسے فرط محبت سے گلے لگا لیا۔ دعائیں دیں۔ لڑائی کے حالات سنے اور دوپہر کے قریب حکم دیا کہ قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو کشتیوں میں بار کر کے خبیث کے محل سرائے کے سامنے دکھلانے کی غرض سے لے جاؤ۔ علی خبیث اور اس کے پیروؤں کو ہنوز اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ مسخرے آپس میں کہنے لگے موفق نے یہ اچھا رنگ جمایا ہے۔ زنگی دلاوروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں ان سیاہ بخت حبشیوں کو قیدی بنالیا ہے جو شامت اعمال سے اس کے پاس جا کر امان کے خواہاں ہوئے اور یہ تمام سر مصنوعی ہیں۔ انسانوں کے سر نہیں۔ مگر خوب نقل اتاری ہے۔

جاسوسوں نے جا کر گروہ مرتدین کا یہ مقولہ موفق کے گوش گذار کیا۔ موفق نے حکم دیا کہ ان سروں کو منجنیقوں (جنگی گوپھنوں) میں رکھ کر محصوروں کے پاس پھینک دو۔ جب ایسا کیا گیا تو محصورین میں ایک ہنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جو دیکھتا چلانے لگتا۔ علی خبیث بھی سروں کو دیکھنے کو آیا۔ ضبط نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

بڑے بڑے زنگی سورماؤں کی درخواست امان

اتنے میں زنگیوں کی رسد آنی بند ہو گئی اور شہر کا غلہ بھی قریب الاختتام ہوا۔ علی کے بڑے بڑے سورما اور نامی سردار فاقہ کشی اور شدت محاصرہ سے تنگ آ کر شہر سے نکلے اور امان کی درخواست کی۔ علی نے اپنی روز افزوں ابتری کا احساس کر کے اپنے دو افسروں کو دس ہزار فوج کی

جمعیت شہر کی غربی جانب سے نکل کر تین طرف سے عساکر خلافت پر حملہ آور ہونے اور رسد کی آمد بند کرنے کا حکم دیا۔ جاسوسوں نے جھٹ یہ خبر موفق تک پہنچائی۔ جب زنگیوں نے دریا سے خشکی پر اترنے کا قصد کیا تو خلیفہ کے لشکر نے اچانک حملہ کر دیا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ سیکڑوں نے دامن دریا میں جا بسیرا کیا اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئے۔ زنگیوں کی چار سو کشتیاں گرفتار کر لی گئیں۔ اس معرکہ سے زنگیوں کی رہی سہی قوت بھی ٹوٹ گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ چونکہ موفق کے پاس پناہ گزینوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جاتی تھی۔ اس لئے محاصرین کی قوت ترقی پذیر اور محصورین کی جمعیت روبزوال تھی۔

نہر اتراک کے عبور کرنے کی کامیاب کوشش

اب موفق نے نہر اتراک کی جانب سے عام حملہ کرنے کا اراد کیا اور حکم دیا کہ نہر کے عبور کرنے کا پورا سامان رات ہی سے مہیا رکھا جائے۔ موفق نے اپنے افسروں سے فرمایا کہ خدا پر توکل رکھو۔ اسلام کی عزت رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ضرور ہم کو ہمارے ارادوں میں کامیاب فرمائے گا۔ سرداران فوج علی الصباح تیار ہو کر موفق کے خیمہ کے پاس آئے اور سلامی دی۔ موفق نے لشکر کو مرتب کر کے نہر اتراک کے عبور کرنے کا حکم دیا اور خود بھی بتاریخ ۲۶/ذی الحجہ ۲۶۷ھ "بسم اللہ مجریھا و مرسھا" پڑھتا ہوا لشکر کے ساتھ چلا۔ شہر کا یہ حصہ جس طرف موفق کا لشکر سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا نہایت مضبوط تھا۔ موقع موقع پر منجنیقیں نصب تھیں۔ آلات حرب بھی بکثرت موجود تھے۔ علی خبیثی، سلیمان بن جامع اور ابن ابان بھی اسی طرف تھے اور بظاہر یہاں کی تسخیر بالکل محال نظر آتی تھی۔

نہ تیروں کی برسات کا خوف نہ سنگباری کی پروا

علی نے اسلامی لشکر کو اس طرف بڑھتے دیکھ کر سنگ باری کا حکم دیا۔ منجنیقیں نہایت تیزی سے چلنے لگیں۔ تڑاتڑ پتھر برسنے لگے۔ تیر اندازوں نے روح و تن کا فیصلہ کرنے کو تیر کمانیں اٹھا لیں۔ ایسی حالت میں نہر کا عبور کرنا، اور پھر عبور کے بعد شہر پناہ کی دیواروں کے قریب پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب اسلامی لشکر نہر کے قریب پہنچا تو دشمن کے جاں ستاں و زہر گداز حربی منظر کو دیکھ کر آگے بڑھنے سے رک گیا۔ موفق نے للکار کر کہا میرے شیرو! کیا یہ منجنیقیں جن سے یہ سیاہ بخت حبشی پتھر پھینک رہے ہیں تمہارے عزم و ثبات اور مردانگی کی راہ میں حائل ہو جائیں گی؟ مجھے یقین ہے کہ تمہاری جوانمردی اور دلاوری کے مقابلہ میں ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ یہ آواز نہ تھی بلکہ ایک برق رو تھی جو چشم زدن میں لشکر کی اس طرف سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔

جاں نثاران ملت بے تأمل بات کی بات میں نہر عبور کر گئے۔ نہ تیروں کی برسات کا خوف کیا، نہ سنگباری کی کچھ پرواہ کی۔

فصیل شہر پر دولت عباسیہ کا پھریرا

اب موفق کا لشکر شہر پناہ کی دیوار کے نیچے پہنچ کر اسے منہدم کرنے اور سیڑھیاں لگا کر اس پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بہادر سپاہی فصیل شہر پر چڑھ گئے اور لڑ بھڑ کر اس پر قبضہ کر ہی لیا۔ دولت عباسیہ کا علم نصب کر دیا گیا۔ منجنیقوں اور آلات حصار شکنی میں آگ لگا دی۔ زنگیوں کا ایک جم غفیر مارا گیا۔ دوسری طرف ابوالعباس زنگی سپہ سالار ابن ابان سے مصروف پیکار تھا۔ ابوالعباس نے اس کو پہلے حملہ میں شکست دی اور ہزاروں زنگی تہ تیغ ہوئے۔ ابن ابان ہزیمت کھا کر بھاگا اور فوراً شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ ابوالعباس کا فتح مند لشکر شہر مختارہ کی دیواروں تک پہنچ گیا اور اس میں ایک روزن کر کے بزور تیغ گھس پڑا۔ سلیمان بن جامع سینہ سپر ہو کر مقابلہ پر آ گیا۔ دیر تک گھمسان کا رن رہا۔ آخر ابوالعباس اپنی فوج لے کر واپس آ گیا اور زنگیوں نے فوراً اس روزن کو بند کر دیا۔

شہر پناہ میں دوسرے متعدد شگاف

مگر دوسری طرف موفق کی فوج نے شہر پناہ کی دیواروں میں متعدد شگاف کر لئے اور شہر پناہ کی خندق پر ایک ہنگامی پل بھی بنا لیا۔ جس سے تمام لشکر شاہی بسہولت عبور کر لیا۔ یہ دیکھ کر زنگیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ شاہی فوج بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کرتی ہوئی دیر ابن شمعان تک چلی گئی اور اس پر قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ اس مقام پر زنگی خوب جان توڑ کر لڑے۔ مگر آخر کار شکست کھا کر اپنے گمراہ کنندہ کے پاس جا دم لیا۔ علی خود سوار ہو کر میدان کارزار میں آیا اور اپنے لشکر کو جوش دلا دلا کر لڑانے لگا۔ مگر کسی کے قدم نہ تھمتے تھے۔ ہر حبشی لڑنے پر بھاگنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آخر علی کے خاص الخاص افسر بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں رات کی تاریکی فاتح فوج کے حملے کی راہ میں حائل ہو گئی اور موفق اپنی فوج کو لے کر واپس آ گیا۔

دو پلوں کا انہدام فوج کی علی کے خزائن و دفاتر تک پیش قدمی

اب موفق نے انہدام شہر پناہ کی طرف عنان توجہ کامل طور پر منعطف کی اور راستہ کے فراخ کرنے میں بھی سر توڑ کوشش کرنے لگا۔ اکثر خود بھی لشکریوں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار منہدم کرنے میں شریک ہو جاتا تھا اور کبھی جوش میں آ کر بھی شمشیر بکف میدان جنگ میں جا پہنچتا تھا۔ آخر کئی روز

کی جنگ اور شبانہ روز کی جانکاہیوں کے بعد نہر سلمٰی کی جانب شہر پناہ کا بہت بڑا حصہ منہدم ہوگیا۔ شہر کی شمالی جانب دو پل تھے۔ جن پر اس وقت تک محاصرین کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ محصورین عموماً انہی پلوں سے عبور کر کے شاہی لشکر پر اچانک آ پڑتے تھے اور نقصان کثیر پہنچا کر واپس چلے جاتے تھے۔ موفق نے ان پلوں کی حالت سے مطلع ہو کر ایسے وقت میں جب کہ زنگیوں سے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ایک دستہ فوج مزدوروں کی معیت میں ان کے توڑنے کو بھیج دیا۔ زنگیوں نے مزاحمت کی مگر ناکام رہے۔ شاہی لشکر نے اس کو دوپہر تک منہدم کر دیا۔ اس کے بعد موفق کی ہمرکاب فوج ایک اور جانب سے شہر پناہ کی دیوار کو توڑ کر شہر میں گھس پڑی اور قتل و غارت کرتی ہوئی ابن شمعان کے مکان تک بڑھ گئی۔ جہاں علی متنبی کے خزائن و دفاتر تھے۔ زنگیوں نے ہر چند مزاحمت کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد شہر پناہ کی دیوار منہدم ہوگئی اور فتح کے آثار نمایاں ہو چلے۔

موفق کا مجروح ہونا اور جنگ کا سہ ماہ التواء

مگر سوء اتفاق سے ۲۵ر جمادی الاوّل ۲۶۹ھ کو ایک معرکہ میں موفق کے سینہ پر ایک تیر آ لگا۔ چونکہ زخم بہت گہرا تھا صاحب فراش ہوگیا۔ لڑائی ملتوی ہوگئی۔ آخر تین مہینہ کے بعد زخم پوری طرح مندمل ہوا اور موفق نے بڑی دھوم دھام سے غسل صحت کیا اور عساکر اسلامیہ میں پھر چہل پہل نظر آنے لگی۔ لشکریوں کے دل خوش اور چہرے بشاش ہوگئے۔ لیکن زنگیوں نے اس مدت التواء میں شہر پناہ کی منہدم دیواروں کو پھر درست کر لیا اور حفاظت کے لئے جا بجا فوجیں متعین کر دیں۔ موفق نے حصول صحت کے بعد پھر دھاوا کیا اور شہر پناہ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح شہر پناہ کی دیواروں سے نہر سلمٰی کے قریب جا کر ٹکر کھانے لگیں۔ جنگ کا بازار گرم ہوگیا۔ زنگی لشکر غازیان اسلام کی مدافعت پر کمر بستہ تھا اور مسلمان تھے کہ جان پر کھیل کر پلے پڑتے تھے۔

بحری بیڑے کی شاندار کارگزاری

اس اثناء میں موفق نے جنگی بیڑے کو نشیبی نہر ابن خصیب کی جانب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ امیر البحر نے حکم پاتے ہی اپنے بیڑے کو اس تیزی سے وہاں پہنچا دیا کہ زنگیوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ وہ دوسری طرف بے خبری میں اپنی حربی طاقت سے نہر سلمٰی کے قریب عساکر اسلامیہ سے مصروف پیکار رہے۔ ادھر بحری فوج نے زنگیوں کے ایک محل سرائے کو جلا دیا۔ جو کچھ پایا لوٹ لیا اور سکان محل کو گرفتار کر لیا۔ عساکر خلافت غروب کے وقت مظفر و منصور میدان کارزار سے فرودگاہ پر واپس آئے۔

اگلے دن نماز صبح ادا کر کے دھاوا کیا۔ اسلامی مقدمۃ الجیش الکلا کے محل تک قتل وغارت کرتا ہوا پہنچ گیا۔ ابن ابان زنگی سپہ سالار نے نہروں میں جو محل سرائے کے چاروں طرف تھیں پانی جاری کرنے اور خلیفۃ المسلمین کے لشکر کے بالمقابل متعدد خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ تاکہ اسلامی لشکر الکلا کے محل تک نہ پہنچنے پائے۔ موفق نے حریف کی اس کارروائی سے مطلع ہو کر ایک دستہ فوج کو خندق اور نہر کے پاٹنے پر متعین کیا اور ایک دستی فوج کو علی کے محل پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔

کشتیوں کی چھتوں پر مانع احراق ادویہ کا ضماد

موفق کی خواہش تھی کہ بحری بیڑہ زنگی اعیان وعمائد کو نذر آتش کر دے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ جونہی جنگی کشتیاں شہر پناہ کے قریب پہنچیں اوپر سے آتشباری اور سنگ باری ہونے لگتی۔ اس لئے مجبوراً کشتیوں کو پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ موفق نے کشتیوں کی چھتوں کو لکڑی کے موٹے تختوں سے پاٹ کر انہیں مانع احراق ادویہ سے رنگنے کا حکم دیا۔ نفاطین اور نامی جنگ آوروں کی ایک جماعت کو اس کام پر متعین کیا جو رات بھر اہتمام جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہ سوئی۔ اگلے دن نماز صبح کے بعد ہی لڑائی چھیڑ دی گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پراگندہ ومنتشر کرنے کی کوشش میں ابو العباس کو حکم دیا کہ بحری بیڑے کو ساتھ لے کر زنگی سپہ سالاروں کے مکانات نذر آتش کرنے کا انتظام کرے۔ اس اثناء میں تمام جنگی جہازوں کی چھتوں پر ایسی دواؤں کا ضماد کر دیا گیا تھا کہ جن پر آگ مطلقاً اثر نہ کرتی تھی۔

زنگی عمائد کے سر بفلک محل نذر آتش

اسلامی بیڑہ زنگی محل کی جانب دجلہ کی طرف سے بڑھا۔ زنگیوں نے اس پر آتش باری شروع کی مگر بے نتیجہ رہی۔ جنگی بیڑہ نہایت تیزی اور چابکدستی سے آتش باری کرتا ہوا علی کے محل کے نیچے جا لگا۔ اب نفاطوں نے روغن نفت کی پچکاریاں بھر بھر کر محل پر پھینکنی شروع کیں۔ چنانچہ اس ترکیب سے قصر کی بیرونی عمارت جلا کر خاک سیاہ کر دی گئی۔ تمام زنگی مکین محل سرائے کے اندر جا چھپے۔ دجلہ کے کنارے پر جس قدر مکانات تھے اسلامی بیڑے نے سب کو آگ لگا دی۔ بڑے بڑے عالی شان ایوان وقصور آگ کا ایندھن بن رہے تھے۔ آگ نے تمام مال واسباب کو چشم زدن میں نیست ونابود کر دیا اور جو کچھ اس عام آتش زنی سے بچ رہا اسلامی فوج نے پہنچ کر لوٹ لیا۔ قریش اور سادات کی بے شمار خواتین زنگیوں کے قبضے سے واگزار کرائی گئیں۔ زنگی سرداروں کے سر بفلک محل جل کر تودہ خاک ہو گئے۔

محصورین کی بدحالی، انسان انسانوں کو کھانے لگے

علی اپنے اور اپنے سرداروں کے مکانات جل جانے کے بعد حصیب کی مشرقی جانب چلا گیا۔ تاجر اور دکاندار بھی ادھر کو اٹھ گئے۔ رسد کی آمد بالکل مسدود ہوگئی۔ شہر کے تمام ذخائر تمام ہوگئے اور ضعف واضمحلال کے آثار نمایاں ہوئے۔ محصورین نے پہلے تو گھوڑوں اور گدھوں کا صفایا کیا۔ پھر انسانوں نے انسانوں کو کھانا شروع کیا۔ مگر بایں ہمہ علی کی جبین استقلال میں ذرا شکن نہ پڑی۔

موفق نے مختارہ کی شہر پناہ کو نہر غربی تک جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس سمت میں علی کے ممتاز فوجی افسر ایک چھوٹے سے قلعہ میں حفاظت کا سامان کئے پناہ گزین تھے۔ جب کوئی موفق کا لشکر مصروف جدال ہوتا تو یہ دائیں بائیں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور سخت نقصان پہنچاتے تھے۔ موفق نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے جم غفیر نے قید کی مصیبت سے نجات پائی۔

شہر پر قبضہ اور علی متنبی کا قتل

۲۷ر محرم ۲۷۰ھ کو اسلامی لشکر نے شہر مختارہ پر پوری طرح قبضہ کر لیا اور باقی ماندہ مسلم قیدیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ خلیل اور ابن ابان گرفتار ہوگئے۔ علی چند فوجی افسروں کو ساتھ لے کر نہر سفیانی کی طرف بھاگ گیا۔ موفق نے تعاقب کیا اور نہایت تیزی سے اس کے سر پر جا پہنچا۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ بہت سے حبشی افسر مارے گئے۔ کئی ایک بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ علی تاب مقاومت نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر منتہائے نہر ابی خصیب تک جا پہنچا۔ موفق نے اس کا تعاقب کر کے اسے جا لیا اور اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا۔ موفق نے سجدہ شکر ادا کی اور مظفر و منصور اپنے خرگاہ میں لوٹ آیا۔ دو بڑے افسر پانچ ہزار زنگیوں سمیت گرفتار ہوئے۔ موفق نے اس مہم کو سر کر کے بلاد اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور ان کو امن دینے کا گشتی فرمان نافذ کر دیا اور امن وامان قائم کرنے کے خیال سے چند روز تک اپنے بنا کردہ شہر موفقیہ میں مقیم رہا۔

بغداد میں چراغاں

موفق نے ابو العباس کو بغداد بھیج دیا۔ ابو العباس ۱۵ر جمادی الثانی ۲۷۰ھ کو بغداد پہنچا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشیاں منائیں۔ عوام نے چراغاں کیا۔ زنگیوں کے خانہ ساز نبی

آخر رمضان ۲۵۵ھ میں خروج کیا تھا۔ انجام کار اپنی حکومت کے چودہ برس چار مہینے بعد یکم صفر ۲۷۰ھ کو مارا گیا۔ وہ پونے چار سال ابوالعباس اور موفق سے برسر مقابلہ رہا۔ اس کے مارے جانے کے بعد اس کے تمام مقبوضات از سر نو عباسی علم اقبال کے سایہ میں آ گئے۔ ابن اثیر اور ابن خلدون نے زنگیوں کے گمراہ کنندہ کا نام علی بن محمد کی بجائے حبیت لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اسی کا دوسرا نام یا لقب ہو۔

دشمن اہل بیت

علی بن محمد اہل بیت نبوت کا بدترین دشمن تھا۔ خصوصاً امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سخت عناد رکھتا تھا۔ اس حرمان نصیب نے ایک تخت بنوا رکھا تھا جسے جامع مسجد کے صحن میں بچھواتا اور اس پر بیٹھ کر حضرت علی مرتضیٰؓ پر معاذ اللہ سب و شتم کرتا۔ اس کے پیرو بھی اس شیطنت میں اس کے ہم سفر ہوتے۔ اس نابکار نے ایک مرتبہ اپنے لشکر میں سادات کرام کی خواتین محترمہ کو دو دو تین تین درم میں بذریعہ نیلام عام فروخت کیا تھا اور ایک ایک حبشی نے دس دس سیدانیاں گھر میں ڈال رکھی تھیں۔

علی بن محمد اور اس کے زنگی پیروؤں کی چیرہ دستیوں کے واقعات (تاریخ کامل ابن اثیر ج۷ ص۶۷ تا ۱۳۳) تک سنین وار درج ہیں۔ تاریخ کامل کے علاوہ تاریخ ابن خلدون، کتاب الاشاعہ فی اشراط الساعۃ اور تاریخ الخلفاء للسیوطی بھی اس کے مأخذ ہیں۔

۱۴...... حسین بن زکرویہ قرمطی

حسین بن زکرویہ انتہا درجہ کا ملحد اور قرمطی ہونے کے باوجود مہدویت کا مدعی تھا۔ بادیہ نشینوں کے اکثر قبائل نے اس کو مہدی موعود یقین کرتے ہوئے اس کی پیروی اختیار کی۔ اس کے چہرے پر ایک تل تھا جس کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہ حق تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اسی تل کی وجہ سے صاحب الشامہ کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔ اپنے نام کے ساتھ مہدی امیر المؤمنین لکھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کا عم زاد بھائی عیسیٰ بن مہدی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے نزدیک تم ہی مدثر ہو جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ اس نے خوش ہو کر عیسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔

جب حسین قرمطی کی جمعیت زیادہ ہوئی تو اپنے مریدوں کو مرتب و مسلح کر کے دمشق پر چڑھ دوڑا اور جاتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دمشق عرصہ تک محصور رہا۔ بالآخر اہل دمشق نے تنگ

آ کر کوئی بڑی رقم نذر کر کے اس سے مصالحت کر لی۔ یہاں سے اس نے حمص کا رخ کیا اور اس کو مسخر کر کے منبروں پر اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ پھر حماۃ اور معرۃ النعمان پر فوج کشی کی۔ ان مقامات پر قتل ونہب کا بازار گرم کیا اور اپنی شقاوت پسندی سے عورتوں اور بچوں تک سے درگذر نہ کیا۔ یہاں سے عنان توجہ بعلبک کی طرف موڑی اور وہاں پہنچ کر قتل عام کا حکم دے دیا۔ بعلبک میں یہ قیامت برابر اس وقت تک برپا رہی جب تک معدودۂ چند آدمی کے سوا شہر کی تمام آبادی بے نام ونشان نہ ہوگئی۔

بعلبک کے بعد سلمیہ کا رخ کیا۔ اہل شہر نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے۔ حسین نے ان کو دم دلاسہ دے کر اور امان کا وعدہ کر کے اطاعت پر آمادہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اس سیاہ دل نے شہر میں داخل ہوتے ہی عہد امان کو بالائے طاق رکھ دیا اور بعلبک کی طرح یہاں بھی قتل عام کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ مکتبوں کے صغیر سن بچے اور چوپائے بھی اس کی تیغ جفا سے نہ بچ سکے۔ اس کے بعد سلمیہ کے دیہات میں جا نکلا اور بادیہ نشینوں کو قتل کرتا اور قیدی بناتا پھرا۔

اوران ایام کے حکمراں طبقہ کی یہ غفلت کس قدر ماتم انگیز تھی کہ وہ اس قسم کے دجالوں اور فتنہ انگیزوں سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔ جب تک وہ خم ٹھونک کر حکومت کے مقابلے پر نہ آجائیں اور ملک کے کسی بڑے حصے پر عمل ودخل کرتے ہوئے بے گناہ رعایا کو تباہ وبرباد نہ کر لیں۔ حسین قرمطی ہر طرف دندناتا پھرا اور دربار خلافت کو اس وقت تک ہوش نہ آیا جب تک اس نے ممالک محروسہ کے ایک حصے کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دی۔

اس وقت ممالک اسلامیہ پر خلیفہ مکتفی کی فرمانروائی تھی۔ اس نے ۲۹۱ھ میں بہ نفس نفیس لشکر آراستہ کر کے اس کی گوشمالی پر کمر باندھی۔ حسین اس وقت حماۃ کے باہر ایک میدان میں پڑا تھا۔ خلیفہ نے اپنی فوج کے ہراول کو بڑھنے کا حکم دیا۔ حماۃ کے باہر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ سخت جدال وقتال کے بعد حسین کو ہزیمت ہوئی۔ ہزاروں قرمطی مارے گئے اور بقیۃ السیف حلب کی طرف بھاگے۔ خلیفہ نے ابن طولون کے حریت یافتہ غلام کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جو منزل بہ منزل اسکو شکست دیتا جاتا تھا اور منہزمین کمال بے سروسامانی کے ساتھ گیدڑوں کی طرح بھاگے چلے جارہے تھے۔ اس اثناء میں خلیفہ نے ایک اور فوج حسین کے تعاقب اور سرکوبی کے لئے یحیٰی بن سلیمان کی قیادت میں روانہ کی۔ یحیٰی نے کاٹتے چھانٹتے قرمطیوں کا بری طرح صفایا کیا۔

حسین بخوف جان مضافات کوفہ میں روپوش ہو گیا۔ اس کے دونوں معاون دست راست مدثر اور مطوق بھی اس کے ہمراہ تھے۔ آخر حسین بہ تبدیل ہیئت رحبہ پہنچا۔ جاسوسوں نے جو سایہ کی طرح ساتھ لگے تھے والیٔ رحبہ کو اس کی آمد کی اطلاع کر دی۔ حاکم رحبہ نے تینوں کو گرفتار کر کے خلیفۃ المسلمین کے پاس بوقہ بھیج دیا۔ خلیفہ نے حسین کو پہلے دو سو درے لگوائے۔ اس کے بعد صلیب پر چڑھا دیا۔ اس کے دونوں ساتھی عفریت شمشیر کے حوالے کیے گئے۔ خلیفہ نے اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر ظفر پیکر کے ساتھ بغداد کو مراجعت کی۔ (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۷)

۱۵...... علی بن فضل یمنی

۲۹۳ھ میں اسمٰعیلی فرقہ کا ایک پیرو علی بن فضل نامی ضلع صنعاء کے کسی گاؤں سے صنعاء دارالحکومت یمن میں اس دعوے کے ساتھ آیا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ ان ایام میں خلیفہ مکتفی باللہ عباسی کی طرف سے اسعد بن ابو جعفر یمن کا عامل تھا۔ علی بن فضل بہت دنوں تک اہل صنعا کو اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دیتا رہا۔ لیکن کوئی شخص تصدیق پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں تو اس نے کسی عقلی تدبیر سے لوگوں کو رام کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک دوا جس کو بصرہ میں داخن اور مصر میں لسما الدرفیل کہتے ہیں۔ حاصل کر کے اس کا گودا لیا۔ اسی طرح چھ اور اجزاء (۱) چھپکلی کی چربی (تخم جزدون (جس کے خالص) ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اسے آگ پر ڈالا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے۔ (۳) کانچ کا چونہ۔ (۴) شنگرف۔ (۵) پارہ۔ (۶) زنگار فراہم کیے۔

اسی طرح ان تمام اجزاء کا نصف وزن (ساڑھے تین جزء) گائے کا گوبر اور ان اجزاء کا ربع (یعنی پونے دو جزء) گھوڑے کی پیشانی کے بال لے کر کوٹی ہوئی دواؤں کو باریک کیا اور چربیوں کو ملا کر معجون تیار کی۔ پھر گولیاں بنا کر ان کو سایہ میں خشک کیا۔ اس کے بعد ایک دفعہ رات کے وقت ایک بلند مکان پر چڑھ کر یہ گولیاں دہکتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیں۔ ان سے سرخ رنگ کا دھواں اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام فضائے بسیط پر محیط ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کرہ ہوا کرہ نار بن گیا ہے۔ پھر اس نے کوئی ایسا افسوں کیا کہ دھوئیں کے اندر بے شمار ناری مخلوق دکھائی دینے لگی۔ یہ ناری آدمی آگ کے گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور وہ آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔

یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر لوگ گھبرا اٹھے اور ان پر یہ واہمہ سوار ہوا کہ چونکہ ایک نبی اللہ

کی دعوت ٹھکرا دی گئی ہے۔ اس لئے خدائے شدید العقاب کی طرف سے نزول عذاب کا خوفناک منظر دکھایا گیا ہے۔ یہ خیال کر کے ہزارہا حماقت شعار تہی دستان قسمت نے اپنی متاع ایمان اس کے سپرد کر دی۔ ان سر گشتگان کوئے ضلالت میں سیکڑوں لکھے پڑھے لوگ بھی تھے۔ جنہیں علمی جہلاء کہنا زیبا ہے۔ علمائے امت نے بہتیرا سمجھایا کہ اس شعبدہ گر کے مکروں میں آ کر سعادت ایمانی سے محروم نہ ہوں۔ مگر کون سنتا تھا۔ ان پر اس عیار کا پوری طرح جادو چل چکا تھا۔ بجز قلیل التعداد افراد کے کوئی راہ راست پر نہ آیا۔

علی بن فضل کی مجلس میں ایک شخص پکار کر کہا کرتا تھا ''**اشھد ان علی ابن الفضل رسول الله** '' لیکن معلوم ہوتا کہ دعوائے رسالت کے ساتھ ہی وہ خدائی کا بھی مدعی تھا اور ممکن ہے کہ دونوں دعوؤں میں تقدیم تاخیر ہو۔ ابن فضل جب کسی پیرو کے نام کوئی تحریر بھیجتا تو عنوان تحریر یہ ہوتا **من باسط الارض وداحیھا ومزلزل الجبال ومرسلھا علی بن الفضل الیٰ عبدہ فلاں ابن فلاں** (یہ تحریر زمین کے پھیلانے اور ہانکنے والے اور پہاڑوں کے ہلانے اور ٹھہرانے والے علی بن فضل کی جانب سے اس کے فلاں بن فلاں بندے کے نام ہے)

اس نے بھی اپنے مذہب میں تمام محرمات کو حلال کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ بادہ نوشی اور بیٹیوں تک سے نکاح بھی جائز و روا تھا۔ انجام کار بعض اکابر اسلام غیرت ملی اور ناموس اسلامی سے مجبور ہو کر اس کے درپے ہلاکت ہوئے اور ۳۰۳ھ میں اس کو جام زہر پلوا کر قعر عدم میں پہنچا دیا۔ علی بن فضل کا فتنہ انیس سال تک ممتد رہا۔

(کتاب المختار وکشف الاسرار للجوبری و مذہب اسلام بحوالہ نزہت الجلیس ومنیۃ الانیس)

لیکن تعجب ہے کہ صنعاء کے حکام نے انیس سال کا طویل زمانہ اس کی مزاج پرسی کیوں نہ کی اور لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالنے کے لئے اسے اتنا طویل عرصہ کیوں کھلا چھوڑ دیا۔ غلام احمد قادیانی تو نصاریٰ کی عملداری میں تھا۔ اس لئے اس کو حکام کی طرف سے...... کسی عاجل خمیازہ کے بھگتنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ کوئی شخص اسلامی قلمرو میں رہ کر زیادہ مدت تک ملت حنیفی میں رخنہ اندازیاں کرتا رہے اور خدا کی عاجز مخلوق پر رحم کر کے اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کیا جائے۔ جونہی اس نے دعوائے نبوت کی رٹ لگائی تھی حکام کا دینی، اخلاقی اور سیاسی فرض تھا کہ اس کی رگ جان کاٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیتے یا کم از کم قید و محن کی نذر کرتے۔

۱۶...... محمد بن علی شلغمانی

ابوجعفر محمد بن علی معروف بابن ابی العزاقر موضع شلغمان کا رہنے والا تھا۔ جو واسط کے مضافات میں ہے۔ ابتداء میں شیعہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں اس کا شمار تھا اور اس مذہب کے اصول وعقائد پر کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن جب ابوالقاسم حسین بن روح سے جس کو شیعہ لوگ اس خیال سے باب کہتے تھے کہ وہ امام محمد بن حسن عسکری کی طرف سے ان کی غیبوبت کبریٰ کے زمانہ میں وکیل تھا۔ اس کے تعلقات کشیدہ ہوگئے تو اس نے خود امام مختفی کے باب ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعوں میں ایک ایسا مذہب ومسلک پیدا کیا جس کی بنیادیں انتہائی غلو اور تناسخ ذات باری کی سطح پر قائم تھیں۔

شیعیت سے ترقی کرنے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ عزوجل کی روح آدم علیہ السلام کے جسم میں حلول کرگئی۔ ان کے بعد شیث علیہ السلام کے جسد میں داخل ہوئی۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انبیاء واوصیاء اور آئمہ کے جسموں میں حلول کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے حسن بن علی عسکری کے جسم میں حلول کیا۔ اس کے بعد خود اس (یعنی شلغمانی) میں حلول کر گئی۔ شلغمانی کہتا تھا کہ میں ہی ظاہر وباطن، اوّل وآخر اور قدیم ہوں۔ رازق اور تام ہوں اور تام سے مراد وہ ذات ہے جو ہر صفت سے موصوف ہو سکے۔

سابق وزیراعظم کا دماغی اختلال

شلغمانی ۳۲۰ھ میں بغداد آیا۔ اس وقت خلیفہ قاہر باللہ آل عباس کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ بغداد کے ہزارہا آدمی اس کے گرویدہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ کئی ایک ذی اقتدار اور صاحب اثر افراد نے بھی اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیا۔ جن میں حسن بن قاسم جیسا زیرک وفرزانہ روزگار مدبر بھی جو اس سے پیشتر خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیراعظم رہ چکا تھا داخل تھا۔ اسی طرح بسطام کے دونوں بیٹے ابوجعفر اور ابوعلی جو امرائے بغداد میں سے تھے۔ وہ بھی (معاذ اللہ) اس کی (من گھڑت) خدائی پر ایمان لے آئے۔ اگر دارالحکومت سے کسی دوردست مقام پر یا کسی نصرانی حاکم کے زیر حکومت رہ کر خدائی کا یہ جال پھیلاتا تو اس سے شاید کوئی تعرض نہ کیا جاتا اور غلام احمد قادیانی کی طرح اسے یہ کہنے کا موقع ملتا کہ چونکہ ایک طویل مدت سے بلامزاحمت اپنے دعوائے خدائی پر قائم ہوں۔ اس لئے سچا خدا ہوں۔ مگر کسی اسلامی سلطنت بالخصوص اسلامی دارالخلفاء میں اس کی خدائی دیرپا نہیں ہوسکتی تھی۔

جب شلغمانی کا فتنہ حد سے بڑھا اور لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر اس کو رب العالمین ماننے لگے تو دربار خلافت کو اس کی طرف سے تردد لاحق ہوا۔ خاقانی وزیر اعظم نے اس کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر شلغمانی کو اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ بغداد میں روپوش ہو کر نہایت خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ حکومت نے دیکھا کہ یہ فتنہ اب دب دیا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری کا کچھ اہتمام نہ کیا۔ لیکن ڈیڑھ دو سال کے بعد اس نے پھر بغداد میں آ کر سر اٹھایا۔ خلیفہ الرضی باللہ نے جو اسی سال مسند خلافت پر رونق افروز ہوا تھا اس کی گرفتاری کا مؤکد حکم جاری کر دیا۔ اس وقت ابن مقلہ وزیر اعظم تھا۔ اس نے بیدار مغزی اور حکمت عملی سے کام لے کر اس نئے پروردگار عالم کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔

اس کے بعد اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے مومنین و معتقدین کے بہت سے خطوط اور رقعات برآمد ہوئے۔ جن میں شلغمانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا۔ جن کا اطلاق و استعمال بجز ذات رب العالمین کے بشر خاکی کی نسبت ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ابن مقلّہ نے علماء کو جمع کیا اور شلغمانی کے سامنے وہ خطوط پیش کئے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ تمام خطوط میرے ہی نام پر بھیجے گئے تھے۔ لیکن تقیہ کر کے کہنے لگا کہ میں بالکل بے قصور ہوں۔ میرے عقیدے وہی ہیں جو دوسرے شیعوں کے ہیں۔ میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب العالمین ہوں اور ان لوگوں نے جو میری نسبت ایسے تعریفی الفاظ استعمال کئے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دوسروں کی غلطی کا الزام مجھ کو نہیں دیا جا سکتا۔ انہی خطوط کی بناء پر اس کے دو معتقد بھی گرفتار کئے گئے جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون اور دوسرا ابن عبدوس۔

شلغمانی دربار خلافت میں

اب یہ دونوں حاشیہ بردار اور خود شلغمانی خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ان دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ اگر تم شلغمانی سے اپنی برأۃ ظاہر کرتے ہو تو دونوں زور زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مارو۔ پہلے تو اس کے حکم کی تعمیل سے گریزاں رہے۔ لیکن جب مجبور کئے گئے تو جبراً قہراً آمادہ ہوئے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر تھپڑ مار دیا۔ مگر ابن ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ کانپ گیا اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جو جوش ہوا تو بڑھ کر شلغمانی کے سر اور داڑھی کا بوسہ دیا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا ”الٰهي وسيدي ورزاقي“ (اے میرے معبود! میرے سردار اور میرے رازق) اب کیا تھا خلیفہ کو ایک حجت و برہان ہاتھ آ گئی۔ بولا تم تو کہتے تھے کہ مجھے دعوائے الوہیت نہیں تو اس شخص نے تجھے ایسے الفاظ

سے یوں مخاطب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرآن میں ہے کہ ''ولا تزروا زرۃ وزر اخریٰ'' (حق تعالیٰ ایک کے گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا) میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب الارباب ہوں۔

اس پر ابن عبدوس جس نے تھپڑ مارا تھا بولا ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ امام منتظر کے باب ہیں اور ابن روح کی جگہ پر ہیں۔ لیکن اس امر کی قابل وثوق شہادتیں پیش ہوئیں کہ ماخوذین کا انکار محض دفع الوقتی اور خوف قتل پر مبنی ہے۔ ورنہ شلغمانی بالقطع خدائی کا مدعی ہے اور یہ کہ جب کبھی اس کے پیروؤں نے اسے ذات خداوندی سے متصف و مخاطب کیا ہے۔ اس سے اس نے انکار نہیں کیا۔ بایں ہمہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے خیالات و عقائد کی تحقیق کی جائے۔

مشرکانہ و ملحدانہ اصول و عقائد

اس کے دین کا پہلا اصول یہ تھا کہ شلمغانی ہی وہ اللہ الٰہیت ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ وہی ہے جس کی جانب الفاظ الاول و قدیم اور ظاہر باطن سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق شلمغانی کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف و تحمل کے بموجب حلول کرتا ہے اور جب کسی پیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ الٰہی یہ تھا کہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک ضد اس بناء پر ظاہر کی کہ جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ پس ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے اور دلیل حق خود حق سے افضل و برتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق و مشابہ ہوتی ہیں بمقابلہ ان کے اس چیز کی ضد اس سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اس کا مظہر یہ ہے کہ جب رب العالمین نے ابو البشر آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو جس طرح وہ خود آدم علیہ السلام میں حلول کر کے نمایاں ہوا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کے ابلیس یعنی ان کی ضد میں حلول کر کے بھی خود ہی نمودار ہوا اور گو بظاہر ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے۔ مگر دراصل دونوں پیکروں میں خود ہی تھا۔

پھر جب آدم علیہ السلام صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئے تو لاہوت (خدائے برتر) متفرق و منتشر ہو کر پانچ ناسوتیوں میں جدا جدا ظاہر ہوا اور اسی طرح ابلیس بھی پانچ ابلیسوں میں سمٹ گیا۔ اب لاہوتیت ادریس علیہ السلام کے پیکر میں جمع ہو گئی۔ یعنی مکمل خدا نے ادریس (علیہ السلام) میں حلول کیا۔ اسی طرح وہ ضد بھی پانچوں ابلیسوں میں سے سمٹ کر ادریس علیہ السلام کی ضد یعنی ان کے مخالف و معاصر ابلیس میں مجتمع ہو گئی۔ ادریس علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس کے بعد

پھر الوہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتیوں اور ابلیسیوں میں منتشر ہوئی اور چند روز بعد نوح علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس میں جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہوئی۔ اسی طرح مختلف انبیاء ورسل میں منتشر ہوتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابلیس میں مجتمعاً ظاہر ہوئی۔ عیسیٰ کے بعد وہ حواریوں میں تقسیم ہوئی اور چند روز گذار کر حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان کے معاصر ابلیس میں ظاہر ہوئی اور اب وہی الوہیت خود شلغمانی اور اس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔

بدترین رفض والحاد

شلغمانی کا بدترین رفض اور حضرت علیؓ کی محبت کا غلو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ جناب موسیٰ کلیم اور سیدنا محمد رسول اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) خائن بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہارون نے موسیٰ کو اور علیؓ نے جناب محمد (ﷺ) کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو۔ مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی اور لوگوں کو غرض ملوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کی۔

اس کے ساتھ ایک عجیب بات یہ تھی کہ شلغمانی کے نزدیک حضرات حسنؓ اور حسینؓ، حضرت علیؓ کے فرزند نہ تھے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد کی رو سے حضرت علیؓ رب العالمین ہیں اور اس کے زعم میں جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کر نمودار ہوتی ہے اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے اور خدا کی شان "لم یلد ولم یولد" ہے۔ شلغمانی کی تعلیم کے بموجب جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔ بلکہ شلغمانی کے مذہب کے ماننے اور اس کی معرفت کا نام جنت ہے اور اس کے مذہب سے انکار کرنے اور اس کے اصول سے جاہل رہنے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اس کے زعم میں ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔

شلغمانی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت کرے اور اس سے مقابلہ کرتا رہے وہ ماجور ہے۔ کیونکہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی دشمن اس پر لعن طعن کرے۔ پس مخالف ولی سے افضل ہے۔ اسی بناء پر وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام سے فرعون کو اور حضرت سرور کائنات ﷺ سے (معاذ اللہ) ابو جہل کو اور حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کو افضل بتاتا تھا۔

شلغمانی شریعت کے انتہائی شرمناک احکام

یہ تو شلغمانی کے عقائد تھے۔ اب ذرا اس کے آئین مذہب کی شان ملاحظہ ہو۔ اس کا اعتقاد تھا کہ علیؓ نے جناب محمد (ﷺ) کو رسول بنا کر کبرائے قریش اور جبابرہ عرب کے پاس

بھیجا۔ ان کے دل ٹیڑھے تھے۔ محمد (ﷺ) نے ان کو حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں۔ نماز پڑھیں۔ علیؓ نے محمد (ﷺ) کو اصحاب کہف کی مدت خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک مہلت دے دی اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ اتنا زمانہ تک محمد (ﷺ) کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے۔ لیکن اس مدت کے گزرتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی شریعت عرصۂ وجود میں آئے گی۔

مگر ساڑھے تین سو سال کی مدت کے پورے ہونے میں ابھی اٹھائیس سال باقی تھے کہ دربار خلافت نے الوہیت کا وہ سارا کھیل ہی بگاڑ دیا جو شلغمانی کے پیکر ناسوت میں سے عجیب و غریب قسم کی ابلیسی صدائیں بلند کر رہی تھی۔ شلغمانی کے مسائل شریعت یہ تھے۔

غسل جنابت اور نماز روزہ بالکل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تکلیف محمد (ﷺ) نے عربوں کو ان دنوں دی تھی۔ لیکن عہد حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ موجودہ دور میں تو یہ تکلیف لوگوں کے مناسب حال ہے کہ اغیار کو اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتے دیکھیں اور غصہ نہ آئے۔ بندے پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کے لئے دو لذتیں جمع کر دیں۔ پس ہر انسان اپنے ذوی الارحام اور محرمات ابدیہ تک کے ساتھ مقاربت کر سکتا ہے۔ بلکہ اہل حق (شلغمانی کے دام افتادوں) کو چاہئے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والوں کی عورتوں سے حسبۃً للہ مقاربت کرے تاکہ ان میں اپنا نور پہنچائے اور جو کوئی اس سے انکار کرے گا وہ کسی آئندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا کیا جائے گا۔ شلغمانی نے اس شرمناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام کتاب الحاسۃ السادسہ رکھا تھا۔

غرض شلغمانی شہوت پرستی کے رواج دینے میں اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں تھا۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس آئین کے رائج کرنے میں اس نے مزدک کے بھی کان کاٹے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ناہنجار نے فعل خلاف وضع فطرت یعنی قوم لوط علیہ السلام کو بھی جائز کر رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ یہ شخص محض زندیق ہی نہیں تھا بلکہ اوّل درجہ کا شہوت پرست اور بدمعاش بھی تھا جس کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا شہوت پرستی، زناکاری اور اغلام کا گہوارہ بن جائے۔

گو حضرت علیؓ خود بھی ابن ابی طالب تھے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ آل ابو طالب میں سے اکثر نے امامت کے دعوے کئے تھے۔ شلغمانی کے نزدیک تمام طالبیوں اور عباسیوں کا قتل کرنا موجب ثواب تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے دین اسلام اور خلافت آل عباس کے استیصال کے لئے بارود بچھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

شلغمانی کا قتل

شلغمانی اور اس کے اخص پیرووں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں ہوا کرتی تھی۔ ان صحبتوں میں فقہاء اور قضاۃ کے علاوہ سپہ سالار بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہاء نے فتویٰ دے دیا کہ شلغمانی اور اس کا رفیق ابن ابی عون مباح الدم ہیں اور ان کی فرد قرارداد جرم میں برأت کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ شلغمانی اور ابن ابی عون ۲/ ذیقعدہ ۳۲۲ھ کو مصلوب کر دیئے گئے۔ جب صلیب پر دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو لاشیں اتار کر جلا دی گئیں۔ شلغمانی کے پیرو بجائے اس کے کہ اٹھائیس سال گزرنے کے بعد اس دن کا جلوہ دیکھیں۔ جس دن (معاذ اللہ) شریعت مصطفوی (علی صاحبہا التحیہ والسلام) کو مٹانے کا شلغمانی خواب پورا ہوتا اور اس کی جگہ شلغمانی شریعت جاری ہوتی بھاگ بھاگ کر منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے ان کے یقین واذعان میں کوئی فرق نہ آتا۔

سابق وزیراعظم کا قتل

شلغمانی کے مصلوب ہوتے وقت اس کا معزز متبع حسن بن قاسم سابق وزیراعظم شہر رقہ میں تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم بھیج دیا اور اس کا سر عبرت روزگار بننے کے لئے بغداد میں لایا گیا۔ ابن ابی عون جس نے تھپڑ مارنے کی عوض شلغمانی کی داڑھی چوم کر اس کو اپنا خالق ورازق بتایا تھا۔ بہت بڑا ادیب اور بلند پایہ مصنف تھا۔ کتاب النواحی، کتاب الجوابات المسکتۃ، کتاب التشبیہات، کتاب بیت مال المسرور، کتاب الدواوین، کتاب الرسائل اس کی مشہور تصنیفیں ہیں۔ (معجم الادباء یاقوت حموی مطبوعہ لندن ص ۲۹٦، ابن خلکان جلد اوّل ص ۱۹۰، کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۴۹، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۸ ص ۹۲، ۹۳)

۱۷...... عبدالعزیز باسندی

عبدالعزیز موضع باسند علاقہ صغانیاں کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۳۲۲ھ میں دعوائے نبوت کر کے ایک پہاڑی مقام میں دام تزویر بچھایا۔ یہ شخص بڑا شعبدہ باز تھا۔ پانی کے حوض میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتا تو مٹھی سرخ دیناروں سے بھری ہوتی تھی۔ اس قسم کی شعبدہ بازیوں اور نظر بندیوں نے ہزار ہا تہی دستان قسمت کے زورق ایمان کو متلاطم کر دیا۔ لوگ پروانہ وار اس کی طرف دوڑے اور اس کی خاک پا کو سرمہ چشم بنانے لگے۔

باسندی کی صدائے دعوت اس نظام اور بلند آہنگی سے اٹھی کہ اہل شاش اور دوسرے

لوگوں نے بھی اپنی قسمت اس کے ساتھ وابستہ کر دی۔ جب اس کی جمعیت زیادہ بڑھی تو اس نے اہل حق کے خلاف علانیہ ستیزہ کاری شروع کر دی۔ صدہا ارباب ایمان اس کی ظلم رانی کے قتیل ہو کر روضۂ رضوان میں چلے گئے۔ جب اس کی عربدہ جوئیوں نے خطرناک صورت اختیار کی تو وہاں کے حاکم ابوعلی بن مظفر نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک جیش روانہ کیا۔

باسندی بلند پہاڑ پر چڑھ کر متحصن ہو گیا۔ لشکر اسلام نے محاصرہ ڈال دیا۔ کچھ مدت کے بعد جب سامان رسد اختتام کو پہنچا تو محصورین کی حالت دن بدن ابتر ہونے لگی اور طاقت جسمانی جواب دے بیٹھی۔ آخر لشکر اسلام پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ باسندی کے ہزارہا پیرو نذر اجل ہوئے۔ خود باسندی بھی قصر ہلاکت میں پہنچ گیا۔ اسلامی سپہ سالار نے اس کا سر کاٹ کر ابوعلی کے پاس بھیج دیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر)

۱۸...... سید محمد جونپوری

سید محمد جونپوری مدعی نبوت کی ولادت ۸۴۷ھ میں بمقام جونپور ہوئی جو ہندوستان کے صوبہ اودھ میں ہے۔ علوم ظاہری سے فارغ ہو کر شیخ دانیال چشتیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک مدت تک ریاضات شاقہ میں مصروف رہا۔ ذکر و فکر کے سوا سید کو کسی طرف توجہ نہ تھی۔ اوائل میں کسی سے ہدیہ و نذرانہ قبول نہ کرتا تھا اور عسرت کے ساتھ بسر اوقات کرتا تھا۔ اس کی ہر ادا سے بزرگانہ انکسار اور درویشی کی شان نمایاں تھی۔

اس وقت دہلی میں خاندان تغلق کا آفتاب لب بام تھا۔ احمد آباد گجرات میں سلطان محمود بیکرہ جیسے با اقبال بادشاہ کی تلوار چمک رہی تھی۔ دکن میں خاندان بہمنیہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ مالوہ میں سلطان غیاث الدین اور احمد نگر میں احمد نظام الملک بحری سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے علاوہ چند خود مختار ایسی ریاستیں تھیں جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے زیر حکومت تھیں۔ جونپور کا علاقہ ریاست داناپور کی عملداری میں داخل تھا۔ جہاں کا مسلمان حاکم میر حسین سید جونپوری کا مرید تھا اور میر حسین ایک ہندو راجہ دلیپ رائے والی گوڑ کا باجگذار تھا۔ کچھ مدت کے بعد میر حسین والئی داناپور اور راجہ دلیپ رائے میں کسی بات پر نزاع و مخاصمت برپا ہوئی۔ جس کا نتیجہ رزم و پیکار تھا۔ اس لڑائی میں جونپوری اپنے ڈیڑھ ہزار فقراء کے ساتھ جنہیں فوج بیراگیاں کہتے تھے میر حسین کی کمک پر گیا۔ سید اپنے مریدوں سمیت لڑتے لڑتے راجہ کے قریب پہنچ گیا اور دونوں

برسر مقابلہ ہوئے۔ راجہ کا شمشیر بکف ہاتھ سید پر حملہ کرنے کے لئے بلند ہوا۔ مگر وار خالی گیا۔ اب سید نے نہایت پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ اس زور سے مارا کہ پہلی ہی ضرب نے دلیپ رائے کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر راجہ کی فوج بے اوسان ہو کر بھاگی۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ میر حسین مقتول راجہ کی عملداری پر بھی قابض ہو گیا۔ دلیپ رائے کے بہت سے قرابت دار مشرف بایمان ہو کر سید کے حلقہ مریدین میں داخل ہو گئے۔ ان میں راجہ کا ایک بھانجا بھی تھا۔ سید نے اس کا نام میاں دلاور رکھا۔

یہاں تک تو سید کی زندگی صلحائے امت کی طرح نہایت پاکیزہ تھی۔ لیکن افسوس کہ اس کے بعد سید اپنے مؤقف ہدایت پر قائم نہ رہ سکا۔ جس کی تقریب یہ پیدا ہوئی کہ سید نے ہجرت کا قصد کیا اور زن و فرزند اور چند جان نثار مریدوں کی معیت میں جہاں گردی اور بادیہ پیمائی کا طریقہ اختیار کیا۔ جب سید داناپور کے جنگل میں پہنچا تو ابلیس نے اس پر اپنا پنجہ اغوا مارا اور ایک نورانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے مخاطبہ و مکالمہ کا شرف بخشا اور الہام کیا کہ تو ہی وہ مہدی آخر الزمان ہے جس کے ظہور کی بشارتیں حدیثوں میں موجود ہیں اور اس مطلب کے الہام بڑی کثرت سے پے در پے ہوئے۔ سید نے مہدیت کے الہام اپنے رفقائے سفر سے بیان کئے جنہوں نے بے چون و چرا ان کی تصدیق کی۔

افسوس کہ سید کے ساتھیوں میں کوئی بھی ایسا ذی علم اور صاحب فہم و فراست نہیں تھا جو حق گوئی سے کام لے کر سید سے کہتا کہ جناب والا! آپ کی مہدویت کے جملہ الہام شیطانی ہیں۔ کیونکہ مخبر صادق ﷺ نے سچے مہدی کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں وہ آپ کی ذات میں مفقود ہیں اور جس ذات شریف نے آپ کو منصب مہدویت بخشا ہے اس کا تو فرض منصبی ہی یہ ہے کہ اولاد آدم کو راہ حق سے پھیر کر قعر ہلاکت میں ڈالے۔ مہدویہ یعنی سید جونپوری کے پیرو لکھتے ہیں کہ سید نے عالم رؤیا میں یا نیم بیداری کی حالت میں ایک نورانی فرشتہ کو دیکھا جو سید کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ تو ہی مہدی موعود ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سید نے کسی نورانی ہستی کو دیکھا۔ لیکن مہدوی نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ سید کو مہدویت کی بشارت دینے والا کوئی ملک مقرب نہیں بلکہ ابلیس لعین تھا جس کا جنود مختلف رنگوں اور طرح طرح کی نورانی شکلوں میں ظاہر ہو کر اور ہر قسم کے سبز باغ دکھا کر ہر وقت زہاد و عباد کو راہ حق سے پھیرنے میں کوشاں ہے۔ ابلیسی لشکر کے پنجہ اغوا سے وہی بچ سکتا ہے جو اپنے ہر الہام و القاء کو شریعت کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے اور منزل طریقت کا جو راہرو یا عابد شریعت حقہ اور مسلک سلف صالح کو معیار بنانے کا عادی نہیں۔ ممکن نہیں کہ وہ جنود ابلیس کی دستبرد

سے بچ سکے۔ اگر جونپوری بھی نورانی پیکر کو دیکھ کر احادیث نبویہ کی طرف رجوع کرتا تو پھر ممکن نہ تھا کہ غول شیطانی اسے راہ حق سے پھیرنے میں کامیاب ہوتا۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ ابلیس کے ایک ہی پرتو جمال سے لوگوں کی آنکھوں پر چربی چھا جاتی ہے۔

اب سید چندیری میں پہنچا۔ جب علمائے کرام کو اس کے دعوائے مہدویت کا علم ہوا تو مخالفت پر کمر بستہ ہوئے۔ چونکہ تمام الہای ممالک میں احتساب جاری تھا۔ اس لئے سید کو وہاں سے خارج ہونا پڑا۔ وہاں سے شہر مندو دارالسلطنت مالوہ میں آیا۔ لیکن علماء کی مخالفت کے باعث قیام میں دشواریاں پیش آئیں۔ اس لئے مندو سے روانہ ہو کر چمپانیر کا عزم کیا جو گجرات کاٹھیاوار کا دارالسلطنت تھا۔ مندو میں بہت سے لوگ معتقد ہو کر سید کے ہمراہ ہو لئے۔ یہاں پہنچ کر جامع مسجد میں قیام کیا۔ یہاں بھی سید کے ترک وانقطاع کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بیکرہ نے بھی جو نہایت اولوالعزم اور خدا پرست بادشاہ تھا سید کے حلقہ مریدین میں داخل ہونے کی ٹھان لی۔ لیکن چند علماء جو حسب الحکم پہلے آ کر سید سے ملاقات کر گئے تھے مانع ہوئے اور بتایا کہ یہ شخص مہدویت کا مدعی ہے۔ بادشاہ نے مرید ہونے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ یہاں بھی علمائے کرام کی مخالفت کے باوجود بہت سے لوگ سید کے مرید ہوئے۔ کیونکہ جن محرومان قسمت کا جذبہ حق فراموشی کج روی کے لئے بے قرار ہو وہ کسی طرح زیغ وضلال سے منہ نہیں موڑ سکتے۔

وہاں سے سید احمد نگر آیا۔ یہ شہر سلطنت نظام شاہیہ کا پایہ تخت تھا جو دہلی کی پانچ ہمسر اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ یہ مقام سید کی آمد سے پیشتر ہی مہدوی تحریک سے آشنا ہو چکا تھا۔ اس بناء پر دارالسلطنت احمد نگر میں سید کا استقبال نہایت گرمجوشی سے ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سید کی عظمت یہاں تک چھائی کہ خود سلطان احمد نظام شاہ بحری سید کا مرید ہو گیا۔ اس وجہ سے سید کا آستانہ مرجع خاص وعام بن گیا۔ قریب قریب ساری رعایا سید کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی اور سید کا مذہب مہدویہ دکن میں بالاستقلال قائم ہو گیا۔ احمد نظام شاہ بحری کی رحلت کے بعد اس کا بیٹا برہان نظام الملک کے نام سے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ فرقہ مہدویہ سے کمال حسن اعتقاد رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ سید جونپوری کے انتقال کے بعد سید کے اخص مریدوں کو گجرات کاٹھیاوار سے احمد نگر بلا لیا اور کمال اعتقاد سے سید جونپوری کے پوتے کو اپنی حور طلعت لڑکی نذر کر کے اپنی دامادی کا اعزاز بخشا۔ اس ناکتخدائی سے مہدوی فرقہ کا پایۂ رفعت فرق فرقد تک بلند ہو گیا اور جونپوری مہدویت سلطنت کی آغوش میں ترقی کرنے لگی۔ اہل ملک کی اس بے راہ روی کو دیکھ کر علمائے حق لہو کے گھونٹ پیتے تھے مگر کوئی بس نہ چلتا تھا۔

گلبرگہ اور احمد آباد سے اخراج

معلوم ہوتا ہے کہ سید ایک مقام پر جم کر بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بعض مقامات سے تو وہ خارج البلد کیا جاتا تھا اور بعض سے وہ خود بخود رخصت ہو جاتا تھا۔ کیونکہ اس کا نصب العین تو مختلف عملداریوں میں پھر کر اپنی خانہ ساز مہدویت کا ڈھنڈورا پیٹنا تھا۔ اس لئے وہ احمد نگر سے کوچ کر کے شہر احمد آباد بیدر پایہ تخت بریدشاہیہ میں آیا۔ اس وقت ملک قاسم برید وہاں کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھا۔ یہاں ملا ضیاء اور قاضی علاؤالدین نے بیعت کی اور سید کے ہمراہ ہو لئے۔ یہاں سے سید نے عنان عزیمت گل برگہ کو پھیر دی جو خاندان بہمنیہ کا پایہ تخت تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے سید محمد گیسودراز چشتیؒ کے مزار مبارک پر فاتحہ پڑھی۔ سید گیسودرازؒ، شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔

ایک مختصر سے قیام کے بعد جب علماء نے سلطان سے شکایت کی کہ اس شخص کے جھوٹے دعوؤں نے ایوان مذہب میں تزلزل ڈال رکھا ہے تو یہاں سے اخراج کا حکم ملا۔ یہاں سے سید بندر دابھول پہنچا اور ۹۰۱ھ میں بیت اللہ کے شوق زیارت میں جہاز پر سوار ہوا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر اسے سرور عالم ﷺ کی یہ مشہور پیشین گوئی یاد آئی کہ لوگ مہدی کے ہاتھ پر رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ اس لئے سید جونپوری نے یہاں کھڑے ہو کر اپنے پیروؤں سے بیعت لینے کی خواہش کی اور اس طرح سید از خود نبی ﷺ کی پیشین گوئی کا مصداق بن گیا۔

واپسی پر شہر احمد آباد آیا اور مسجد تاج خاں سالار میں فروکش ہوا۔ جب اس کے دعوائے مہدویت اور اغوائے خلق کا چرچا زبان زد خاص و عام ہوا تو علمائے گجرات نے سلطان محمود گجراتی سے شکایت کی کہ ایک شخص لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے اور اس کے خار وجود سے بے شمار مفاسد پیدا ہو رہے ہیں تو بادشاہ نے اخراج کا حکم دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر شہر نہروالا پیران پٹن علاقہ گجرات میں لب حوض مقام کیا۔ لطف یہ کہ جونپوری جدھر کا بھی رخ کرتا عربی مدارس کے طلبہ ہر طرف سے مناظرہ و مباحثہ کے لئے ٹوٹ پڑتے۔ یہاں سید مذہبی مناظرہ میں بری طرح مغلوب ولاجواب ہوا اور علماء کی کوشش سے جونپوری کو یہاں سے بھی خارج کرا دیا۔ پیران پٹن سے نکل کر قصبہ بدلی میں نزول کیا اور ایک مجمع میں اپنے جسم کا چمڑا دو انگلیوں سے پکڑ کر کہا کہ جو شخص اس ذات کی مہدویت سے منکر ہو وہ کافر بے دین ہے۔ مجھے خدائے برتر سے بے واسطہ احکام ملتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے۔ میں نے تجھے علم اولین و آخرین اور بیان یعنی معانی قرآن کا فہم اور خزانہ ایمان کی کنجی عطاء کی جو کوئی تجھ پر ایمان لایا وہ مؤمن موحد ہے اور جو منکر ہوا

وہ کافر جہنمی ہے۔ لیکن یہاں سے بھی خارج کیا گیا۔

اب جونپوری جالور پہنچا۔ پھر جالور سے ناگور اور ناگور سے ولایت سندھ کے شہر نصر پور میں داخل ہوا۔ یہاں سے اس کے کثیر التعداد پیرو جو بار بار کے اخراج اور سفر کی صعوبتیں جھیلتے جھیلتے سخت بیزار اور بد اعتقاد ہو گئے تھے، ترک رفاقت کر کے گجرات کو واپس چلے گئے۔ جونپوری نے غضب خداوندی سے لاکھ ڈرایا دھمکایا۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی اور گجرات کا سیدھا راستہ لیا۔ سید کی ایک اہلیہ شکر خاتون بھی انہی میں داخل تھی۔ نصر پور سے شہر ٹھٹھہ میں آیا جو سندھ کا دارالحکومت تھا۔ چونکہ علمائے سندھ نے اس کے قدم سے پہلے ہی لوگوں کو جونپوری فتنہ سے متنبہ کر دیا تھا اور یہاں اس کے خلاف ہر طرف غیظ وغضب کی لہر دوڑ رہی تھی۔ لوگوں نے سید اور اس کے دام افتادوں کو فاقوں مارنے کی ٹھان لی اور سید کے پاس پیغام بھیجا کہ اہل سندھ کو بے دین کرنے سے باز رہو۔ ورنہ یاد رکھو کہ اناج کا ایک دانہ بھی تمہارے حلق تک نہ پہنچنے دیں گے۔ لیکن وہ اس پیغام کو خاطر میں نہ لایا۔ مسلمانوں نے ''عدم تعاون'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اس کے محدود آذوقہ کا واحد ذریعہ بھی بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے چوراسی آدمیوں نے گرسنگی اور فاقہ کشی کے مصائب میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے جان دی۔ جونپوری نے بشارت دی کہ فاقہ کش جاں سپاروں کو اولوالعزم رسولوں کے مدارج ومقامات عطا ہوئے ہیں۔

جب حاملین شریعت نے دیکھا کہ جونپوری اب بھی مغویانہ کوششوں سے باز نہیں آیا تو ناچار بادشاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ سندھ بڑا غیور اور شریعت نواز فرمانبردار تھا۔ جونپوری ہفوات کی اطلاع پا کر اس قدر برہم ہوا کہ سید اور اس کے تمام ساتھیوں کے قتل کا حکم صادر کیا۔ لیکن دریا خان مصاحب سلطانی کی کوشش سے فرمان قتل حکم اخراج سے تبدیل ہو گیا۔

انجام کار جب سید نے دیکھا کہ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا ہے۔ مسلمان ہر جگہ خشونت اور سختی سے پیش آتے ہیں اور کوئی اسلامی حکومت اسے اپنے ہاں پناہ دینے پر آمادہ نہیں تو اس نے کسی مصری ولایت میں جا کر اپنی مہدویت کے زہریلے جراثیم پھیلانے کا قصد کیا۔ چنانچہ سندھ سے خراسان کا رخ کیا۔ فارس اور عراق کے مشرقی حصے کو خراسان کہتے ہیں۔ غرض جونپوری قافلہ بہزار خرابی وبربادی قندھار پہنچا۔ علمائے قندھار نے بحث ومناظرہ میں اس کو سخت پریشان کیا۔ ان کے چنگل سے مخلصی پا کر اس نے شہر فراہ کی راہ لی۔ اس وقت سید کے سر پر حزن وغم کے بادل منڈلا رہے تھے اور اس کی بے کسی قابل رحم تھی۔ لیکن۔

ہر کس کہ چنیں کند چناں آید پیش

فراہ میں بھی نہایت سخت باز پرس ہوئی اور سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ پہلے ایک عہدہ دار نے جو نہایت ہیبت ناک اور آشفتہ مزاج تھا جونپوری اور اس کے رفقاء کے اسلحہ چھین لئے اور ہر ایک کے سر پر گوشہ کمان رکھ کر ایک ایک کو شمار کیا۔ پھر بولا کل کے روز تم سب زندان بلا میں ڈالے جاؤ گے تاکہ لوگ تمہارے خبائث ورذائل سے محفوظ رہیں۔ یہاں پہنچ کر جونپوری نے سالہا سال کی خانہ بدوشی کے بعد غریب الوطنی اور درماندگی کے عالم میں توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر دی۔ یہ ۹۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت موت کا پیام اس کے لئے عین نوید حیات تھا۔ کیونکہ دعوائے مہدویت کے بعد سے وہ جسمانی اور روحانی صدمے اٹھاتے اٹھاتے سخت نزار وبدحال ہوگیا تھا۔ میاں اللہ داد مہدوی نے اس کی قبر پر لوگوں کے سامنے ایک پر درد مرثیہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

فضلش کہ برجمیع پیمبر شد از خدا　　　بادا بروز حشر شفاعت گر از خدا

سید محمود کی ہلاکت

جونپوری کے فرزند کلاں سید محمود نے سال بھر فرار کی سختیاں جھیلنے کے بعد خراسان کو الوداع کہہ دیا اور گجرات کاٹھیاوار آ کر بھلوٹ میں توطن اختیار کیا۔ اب جونپوری کے تمام مریدین سید محمود کی طرف رجوع ہوئے اور جونپوری مہدویت کی طرف تبلیغ شروع ہوئی۔ سلطان محمود گجراتی کو اس کا علم ہوا تو اس نے سید محمود کو احمد آباد کے جیل میں قید کر کے نہایت وزنی زنجیر اس کے پاؤں میں ڈلوائی۔ اکتالیس روز کے بعد راجی سون اور راجی مرادی خواہران سلطان محمود کی سفارش سے کہ دونوں سید محمد جونپوری کی معتقد تھیں قید محن سے نجات ملی۔ لیکن زخم زنجیر کی وجہ سے پاؤں سڑ گیا۔ یہاں تک کہ ڈھائی مہینہ کے بعد پاؤں کی تکلیف سے ہلاک ہوگیا۔

سید محمود کی رحلت کے بعد خوندمیر فرقہ مہدویہ کا سرگروہ اور خلیفہ ثانی قرار پایا۔ خوندمیر پہلے شہر پٹن میں اقامت گزیں رہا۔ جب وہاں سے خارج کیا گیا تو ایک مہدوی ملک پیارے نے اس کو اپنی جاگیر واقع موضع کھانبیل میں لا کر رکھا۔ لیکن وہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ اس اثناء میں اس کو خبر ملی کہ شہر احمد آباد کے حاکم نے ایک مہدوی انگریز کو جرعہ مرگ پلا دیا ہے۔ خوندمیر نے مغضوب الغضب ہو کر چار مہدوی اس غرض سے احمد آباد روانہ کئے کہ جا کر ان علماء کی جان لے لیں جنہوں نے مہدوی انگریز کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ سوار علمائے مذکور کو جام شہادت پلا کر موضع بھولارہ میں واپس آئے۔ جب سلطان محمود گجراتی کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے مہدویہ کی سرکوبی کے لئے عین الملک کی سربراہی میں دستہ فوج روانہ فرمایا۔ کچھ مسلمان شہری بھی

بہ نیت حصول ثواب فوج کے ساتھ ہولئے۔ خوند میر ساٹھ سوار اور چالیس پیادے لے کر مقابلہ کو نکلا۔ اس معرکہ میں اکتالیس مہدوی کام آئے۔ خوند میر کی آنکھ میں ایسا تیر لگا کہ دوسری آنکھ بھی کاسہ سر سے باہر نکل آئی اور وہ بالکل اندھا ہوگیا۔ اتنے میں شرف الدین مہدوی اسی سواروں کے ساتھ خوند میر کی کمک پر آیا۔ لیکن اسے شاہی فوج سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ یہ سوار مرعوب ہو کر موضع سدراسن کی طرف جو وہاں سے بارہ کوس دور تھا ہٹ گئے۔ لیکن شاہی فوج نے پیچھا نہ چھوڑا اور سدراسن پہنچ کر خوند میر اور اس کے بیٹے جلال الدین اور داماد وغیرہ اقرباء و مریدین کو ملا کر چون (۵۴) مہدی قتل کیے۔

بادشاہ کے سامنے مولانا شاہ طاہر کا احادیث ظہور مہدی پیش کرنا

جن ایام میں حکومت گجرات پیروان جونپوری کا قلع قمع کر رہی تھی ان دنوں سلطنت احمد نگر میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ سلاطین احمد نگر کو جونپوری اور اس کے پیروؤں سے اس درجہ عقیدت و شیفتگی تھی کہ برہان نظام شاہ بحری نے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اپنی قمر جمال شاہزادی جونپوری کے پوتے سے بیاہ دی تھی۔ حسن اتفاق سے ۹۲۸ھ میں ترکستان کے ایک جید عالم مولانا شاہ طاہر احمد نگر آ کر برہان نظام شاہ کے ملک وزارت میں منتظم ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو ایک جھوٹے مہدی کی متابعت میں گم پا کر ارادہ کیا کہ مہدی کے ڈھول کا پول کھولا جائے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کے سامنے وہ حدیثیں پیش کیں جن میں مخبر صادق علیہ التحیہ والسلام نے حضرت مہدی آخر الزمان کے ظہور کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ ان میں سے چند حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

۱...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر بفرض محال دنیا کے اختتام میں ایک ہی دن باقی رہ گیا ہوگا تو بھی حق تعالیٰ اس دن کو طویل کر کے میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا جن کا نام نامی میرے نام (محمد) کے اور ان کے والد کا نام میرے والد (عبداللہ) کے مطابق ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح معمور کر دیں گے جس طرح اس سے پہلے جور و ظلم سے بھری ہوگی۔ رواہ ابو داؤد نے اس حدیث کی روایت کر کے خاموشی اختیار کی اور انہوں نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے جس حدیث پر میں خاموش رہوں وہ صحیح ہوتی ہے اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا۔

۲...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میرے اہل بیت میں سے ایک مرد عرب کا مالک نہ ہو جائے گا۔ وہ نام میں

میرے ساتھ اشتراک رکھتا ہوگا۔ (رواہ ابوداؤد، الترمذی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح والحاکم من الطرق وقال کلھا صحیحہ) ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ سے ایک اور حدیث بھی روایت کی جس میں یملک (مالک ہوگا) کی بجائے لفظ یلی (والی ہوگا) مروی ہے اور ترمذی کی یہ روایت بھی حسن صحیح ہے۔

۳...... ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مہدی میرے اہل بیت میں سے ہوں گے۔ ان کا چہرہ منور و درخشاں ہوگا۔ ان کی ناک اونچی ہوگی۔ وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح اس سے پیشتر ظلم و عدوان سے بھری ہوگی۔ وہ سات سال تک برسرِ حکومت رہیں گے۔

رواہ ابوداؤد والحاکم وقال حدیث حسن صحیح واخرجہ الترمذی وعبدالرزاق بسند صحیح وابن ماجہ من حدیث ابی ھریرۃ بسند صحیح

۴...... حضرت جابر انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اخیر زمانے میں ایک خلیفہ (یعنی مہدی علیہ السلام) ہوں گے جو گنتی کئے بغیر مال و دولت تقسیم کریں گے۔

(رواہ مسلم واخرجہ احمد عن ابی سعید الخدری)

۵...... صحیح مسلم کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ میری امت کے اخیر میں ایک خلیفہ ہوں گے جو دونوں ہاتھوں سے مال و دولت تقسیم کریں گے۔ مگر اسے شمار نہیں کریں گے۔ صحیح مسلم کی ان دو روایتوں میں خلیفہ امت کا اسم گرامی مذکور نہیں۔ مگر اگلی حدیث میں (جو نمبر ۶ میں سپرد قرطاس ہوگی۔ حضرت مہدی کا نام نامی کی تصریح موجود ہے)

۶...... ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص مہدی کے دربار میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوگا کہ مجھے کچھ عنایت کیجئے۔ وہ اس کو اس کی چادر میں اس قدر زر نقد عطا کریں گے جس قدر کہ وہ اٹھا لے جانے کی طاقت رکھتا ہوگا۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن واحمد فی مسندہ بسند صحیح)

۷...... حضرت جابر انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں جدال و قتال کر کے قیامت تک غالب رہا کرے گا۔ پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا فرمانروا عیسیٰ علیہ السلام سے کہے گا آیئے نماز پڑھایئے! وہ جواب دیں گے نہیں آپ ہی پڑھائیں کہ خدا نے امت محمدی کا بڑا اکرام

فرمایا ہے۔ (رواہ مسلم واحمد) بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ مسلمان حضرت مہدی کے اقتداء میں نماز پڑھانے کے لئے صفیں درست کر رہے ہوں گے کہ اتنے میں حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ جناب مہدی پیچھے ہٹ کر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے نماز پڑھانے کی درخواست کریں گے۔ لیکن وہ انکار کر کے حضرت مہدی کو آگے کر دیں گے اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ لیکن اس کے بعد جب تک دونوں کی رفاقت رہے گی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی جناب مہدی سے افضل و عالی ہونے کے باعث امامت فرمائیں گے۔

۸...... حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ تم اس وقت کیسے (بابرکت) ہو گے جب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہو گا۔ (رواہ مسلم) تمہارا امام مراد مہدی علیہ السلام ہیں۔ جس کے پیچھے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔

(رواہ ابونعیم فی کتاب المهدی)

۹...... امام جعفر صادقؒ نے اپنے والد امام محمد باقر سے اور انہوں نے اپنے والد محترم زین العابدین علی بن حسینؓ سے روایت کی کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ وہ امت کیونکر ہلاک و برباد ہو سکتی ہے جس کے آغاز میں میں ہوں۔ مہدی اس کے بیچ میں ہیں اور مسیح بن مریم اس کے اخیر میں ہیں۔

(رواہ رزین (مشکوٰۃ) رواہ الحاکم فی تاریخہ)

(نوٹ: یہ حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح، کنز العمال اور حجج الکرامۃ سے لی گئی ہیں)

سلطنت احمد نگر سے مہدویہ کا اخراج

سید محمد جونپوری کے پیروؤں کو مہدوی کہتے ہیں۔ یہ فرقہ ریاست حیدرآباد دکن، ریاست ٹونک، ریاست جے پور وغیرہ مقامات پر بتعداد کثیر آباد ہے۔ مرزائیوں کی طرح یہ بھی بڑا مفسد گروہ ہے۔ مولانا شاہ طاہر نے بادشاہ کے سامنے حضرت مہدی آخرالزمان کے متعلق احادیث نبویہ پیش کر کے مہدویت کا سارا طلسم توڑ دیا اور اس مذہب کا بطلان ایسے مدلل پیرایہ میں ثابت کیا کہ برہان شاہ کا مزاج اس فرقہ کی طرف سے سخت برہم ہوا اور بادشاہ کو اس عقد سے کہ ایک مہدوی کو اپنی لڑکی دے بیٹھا تھا سخت کوفت و پشیمانی ہوئی۔ بادشاہ نے اس جماعت کو قرب واختصاص سے یکسر محروم کر دیا اور علمائے دربار کو سرزنش کی کہ جس خوبی سے شاہ طاہر نے اس مذہب کا بطلان میرے ذہن نشین کیا ہے۔ انہوں نے کیوں نہ کیا۔ اب برہان شاہ نے جونپوری کے پوتے سے اپنی بیٹی کی طلاق حاصل کی اور حکم دیا کہ تمام مہدوی میرے حدود مملکت سے نکل جائیں۔ اس طرح مدت مدید کے بعد سلطنت احمد نگر کو مہدوی شرور وفتن کے گرداب سے نکلنا نصیب ہوا۔

مکہ معظمہ کے چار فتوے

اس وقت مہدویہ کی شکستہ حالی قابل عبرت تھی۔ مسلمان حکمرانوں نے ان کے خلاف مواخذہ واحتساب کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا۔ خصوصاً گجرات کاٹھیاوار میں تو یہ لوگ تشدد اور پکڑ دھکڑ کا بری طرح آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ بالخصوص ۹۵۲ھ سے جب کہ حضرت شیخ علی متقی گجراتی علیہ الرحمۃ نے مکہ معظمہ سے مذاہب اربعہ کے مفتیوں کے چار فتوے جن میں ایک فتویٰ حضرت شیخ ابن حجر مکی مؤلف صواعق محرقہ کا بھی تھا، شاہ گجرات کے پاس بھجوائے۔ علامہ حضرت علی متقی گجراتی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ الاستاذ اور حدیث کی مشہور کتاب ''کنز العمال'' کے جامع ومؤلف تھے۔ ان فتاویٰ میں لکھا تھا کہ اگر مہدویہ اپنے عقائد باطلہ سے توبہ نہ کریں تو شاہ اسلام پر (بجرم ارتداد) ان کا قتل واجب ہے۔ شاہ گجرات نے ان فتوں کے بموجب جونپوری کے خلیفہ شاہ نعمت کی گرفتاری کا حکم دیا۔

جونپوری کے فرزند اور خلیفہ کی جاں ستانی

جب سرکاری پیادے شاہ نعمت کو گرفتار کر کے لے چلے تو راستہ میں سید علی بن سید محمد جونپوری نے پیادوں سے پوچھا کہ اگر اس بزرگ کی بجائے تمہیں حضرت مہدی علیہ السلام کا فرزند ہاتھ لگے تو اس بزرگ کو رہا کر دو گے؟ انہوں نے کہا کہ ضرور رہا کر دیں گے۔ سید علی کہنے لگا کہ میں مہدی ید العلوم کا فرزند ہوں۔ انہوں نے شاہ نعمت کو چھوڑ کر سید علی کو پکڑ لیا اور گاڑی میں ڈال کر دار السلطنت لائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قید محن میں ڈال دو۔ سید زادہ عرصہ تک قید رہا۔ یہاں تک کہ گجرات کے فرمانروا سلطان مظفر نے قضا کی اور سلطان بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔ جب سلطان بہادر شاہ نے مہم دکن سے خاطر خواہ فراغت پائی تو ملک پیر محمد مہدوی نے جس سے اس جنگ میں بڑے کارنامے ظہور میں آئے تھے اپنے حسن خدمات کے صلہ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمارے پیرزادہ کو جو زمانہ دراز سے شاہی قید خانہ میں محبوس ہے مخلصی بخشی جائے۔ بادشاہ نے صدر خاں وزیر اعظم کو حکم دیا کہ پیرزادہ مذکور رہا کر دو۔ صدر خان نے عرض کیا کہ وہ تو مدت سے نہنگ اجل کا لقمہ بن چکا اور مخفی طور پر رازداں مصاحب کو دوڑا کر حکم بھیجا کہ مہدی زادہ کو فی الفور موت کے گھاٹ اتار دو۔ چنانچہ داروغہ مجلس نے فوراً نیچے اوپر تختے رکھ کر اسے ہلاک کر کے تہ خانہ میں پہنچا دیا۔ شاہ نعمت بھی سول مہدویوں کے ساتھ تیر اجل کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ دیکھ کر ملک الہ داد جو کہ جونپوری کے خاص مریدوں میں تھا گجرات سے بھاگ کر مارواڑ پہنچا اور موضع پارکر میں رہنے لگا۔ وہاں ان لوگوں کو بڑے بڑے مصائب ونوازل سے سابقہ پڑا۔ یہاں تک کہ فاقوں مرنے لگے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے احوال ومقامات باطنی کا دعویٰ کر کے ہی

تسکین وتثبیت کی آنکھیں روشن کر لیتا تھا۔ شاہان اسلام کے محکمہ احتساب نے انہیں کبھی ایک جگہ ٹھہرا کر غور کوشیوں کا موقع نہ دیا۔ ظاہر ہے کہ شاہان شریعت پناہ اس فتنہ انگیز تحریک کو ٹھنڈے دل سے کیونکر گوارا کر سکتے تھے جو فساد فی الدین کا موجب تھی۔ وہ صلیب پرست انگیز نہیں تھے جنہوں نے غلام احمد قادیانی کی رسی دراز کر رکھی تھی۔ مہدوی آتش فتنہ کی چنگاریاں گجرات اور دکن سے اڑ اڑ کر دہلی آگرہ اور بنگالہ تک جا پہنچیں۔ لیکن حکومتوں کی بروقت مداخلت نے ان شراروں کو زیادہ بھڑکنے کا موقع نہ دیا۔

شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی پہلے حنفی چشتی تھے۔ پھر اغوائے شیطانی نے ان کو مہدویت کے پہلو میں لا بٹھایا۔ شیخ نیازی حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ واپسی پر جونپوری کے کسی گرگے سے ملاقات ہوگئی۔ اس کے فقروں میں آ کر مہدوی مذہب قبول کر لیا۔ اس کے بعد قصبہ بیانہ ریاست جے پور میں سکونت اختیار کر لی۔

ایک مرتبہ سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ پنجاب کو آ رہا تھا تو بیانہ کے بالمقابل بھرسور کی منزل پر پہنچا۔ اس کو عبداللہ نیازی کی مہدویت کا حال معلوم ہوا تو حاکم بیانہ کو جو عبداللہ نیازی کا مرید تھا حکم بھیجا کہ وہ شیخ کو حاضر کرے۔ جب لشکرگاہ میں پہنچا تو لشکریوں نے بادشاہ کے حکم سے اس کو پیٹنا شروع کیا۔ بہت دیر تک مار پڑتی رہی۔ آخر سلیم شاہ لشکر سمیت روانہ ہو گیا اور لوگ شیخ عبداللہ کو اٹھا لے گئے۔ لیکن انجام کار قائد توفیق الٰہی نے آخر عمر میں مہدویت سے تائب کر کے اہل حق کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ جب شیخ عبداللہ ہنوز مہدویت کی دلدل میں پھنسا تھا اس کے ایک مہدوی مرید شیخ علائی کو سلیم شاہ نے ہندویہ کی طرف جو سرحد دکن پر واقع ہے جلاوطن کر دیا۔ لیکن جب اطلاع ملی کہ علائی ہندویہ پہنچ کر لوگوں کو دھڑلے سے مہدوی بنا رہا ہے تو بادشاہ بہت تلملایا۔ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری نے بادشاہ کو صلاح دی کہ علائی کو ہندویہ سے طلب کر کے اس پر حد شرعی لگائی جائے۔ چنانچہ علائی کو واپس آگرہ بلایا گیا۔ جب وہ دارالسلطنت میں پہنچا تو سلیم شاہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے سامنے تازیانہ لگاؤ۔ جلاد نے تیسری ہی ضرب لگائی تھی کہ طائر روح نے قفس عنصری سے پرواز کر کے اسفل السافلین کی راہ لی۔

مہدوی کفریات

مہدوی کہتے ہیں کہ سید جونپوری کی مہدویت کی تصدیق فرض اور اس کا انکار کفر ہے اور ۹۰۵ھ سے جب کہ مہدی علیہ السلام (یعنی جونپوری) نے مہدویت کا دعویٰ کیا جس قدر مسلمان دنیا میں گزرے یا قیامت تک پیدا ہوں گے بسبب اس انکار کے کافر مطلق ہیں۔

۲...... گو سید جونپوری امت محمدی میں داخل ہیں۔ لیکن خلفائے راشدین اور تمام دوسرے صحابہ سے افضل ہیں۔

۳...... سید جونپوری حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء و مرسلین بالخصوص اولوالعزم رسولوں سے افضل ہیں۔

۴...... گو سید جونپوری محمد ﷺ کے تابع تام ہیں۔ لیکن رتبہ میں آپ کے برابر ہیں۔ دونوں میں سرمو بھی کمی بیشی نہیں ہے۔

۵...... احادیث نبویہ خواہ کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں لیکن کوئی حدیث اس وقت تک صحیح اور قابل اعتماد نہیں ہے جب تک سید جونپوری کے اقوال احوال اور الہامات کے مطابق نہ ہوں۔

۶...... سید جونپوری اور محمد ﷺ پورے مسلمان ہیں۔ ان کے سوا دوسرے لوگ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ عیسیٰ (علیہم السلام) ناقص الاسلام تھے۔ کوئی پیغمبر نیم مسلم تھا۔ کوئی ثلث اور کوئی ربع البتہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوسری مرتبہ آسمان سے نازل ہوں گے تو پورے مسلمان ہو جائیں گے۔ مہدوی کتاب ''انصاف نامہ'' کے بارھویں باب میں لکھا ہے۔ کہ میاں خوند میر نے سید جونپوری سے کہا عالم انسانیت میں صرف دو مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ایک آپ اور دوسرے محمد رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میراں محمد جونپوری نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ بعض انبیاء کا سر مسلمان ہوا تھا۔ بعض کا داہنا پہلو کسی کے دونوں پہلو، مگر ہم دونوں سرتاپا مسلمان ہوئے ہیں۔

۷...... مہدوی کہتے ہیں کہ تصحیح مہدی علیہ السلام کا اعتقاد رکھنا فرض ہے۔ تصحیح کے یہ معنی ہیں کہ انبیاء اولیاء اور دوسرے مؤمنین اور مؤمنات کی روحیں آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سید جونپوری کے حضور میں پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کا داخلہ اور موجودات دیکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان ارواح کو حکم دیتا ہے کہ تم نے جس خزانہ سے نور لیا تھا پھر اسی عمل سے مقابلہ کر کے تصحیح کرو۔

۸...... مہدویہ کی کتاب ''پنج فضائل'' میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے اپنے داماد خوند میر سے فرمایا کہ جس طرح بندہ کے پاس ارواح کی تصحیح ہوتی ہے اسی طرح تمہارے پاس بھی ہوا کرے گی۔

۹...... کہتے ہیں کہ سید جونپوری صاحب شریعت ہیں۔ شریعت جونپوری شرع محمدی کے بعض احکام کی ناسخ ہے۔

۱۰...... مہدویہ کے نزدیک بعض صفات الوہیت میں حق تعالیٰ کے شریک ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب ''شواہد الولایت'' کے اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ مہدی علیہ السلام (جونپوری) نے فرمایا کہ مجھے جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم ہیں جس طرح صراف سونے چاندی کو ہاتھ میں لے کر ہر طرف پھراتا ہے اور کما ہو حقہ پہچانتا ہے۔

۱۱...... مہدویہ کی کتاب پنج فضائل میں لکھا ہے کہ سید جونپوری نے اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حق میں فرمایا کہ میاں دلاور پر عرش سے تحت الثریٰ تک ہر چیز اس طرح روشن ہے جس طرح ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔

۱۲...... مہدویہ کے زعم بیہودہ میں مہدی جونپوری کے اصحاب کا درجہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کے برابر ہے۔ چنانچہ کتاب ''شواہد الولایت'' کے اکتیسویں باب کی سینتیسویں خصوصیت میں لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مہدی کے اصحاب کا مرتبہ اپنے مرتبے کے برابر فرمایا ہے اور کتاب ''پنج فضائل'' میں لکھا ہے کہ ایک روز میاں عبدالرحمٰن نے یہ حدیث پڑھی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ مہدی کے اصحاب میرے بھائی اور مرتبہ میں میرے برابر ہیں۔ شاہ نظام مہدوی نے سن کر کہا کہ یہ صفت عوام اصحاب مہدی کی ہے۔ بڑے اصحاب کا مرتبہ اس سے بھی اور آگے ہے۔

۱۳...... کتاب پنج فضائل میں لکھا ہے کہ ایک دن سب مہدوی صف بستہ بیٹھے تھے۔ جونپوری کے خلیفہ دلاور نے اپنی بیوی خوندبوا سے کہا: دیکھو! یہ وہ لوگ ہیں جو مرسلین کا مقام رکھتے ہیں اور کہا کہ مرسل اسے کہتے ہیں کہ مہتر جبریل اس پر وحی لائیں۔ لیکن بارہ آدمی ان سے بھی فاضل تر ہیں۔

۱۴...... مہدوی کتابوں میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری کے نواسے سید محمود بن خوندمیر کے ساتھ لڑکپن میں (معاذ اللہ) خدا ہمیشہ کھیلا کرتا تھا۔

۱۵...... مہدویہ کی کتاب شواہد الولایت کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ شیخ مہاجر مہدوی نے مردہ زندہ کیا اور حضرت مہدی موعود (جونپوری) نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام بتایا۔ مصنف کتاب مذکور لکھتا ہے کہ ذات مہدی کے فیض یاب کو چاہئے کہ مقام عیسیٰ علیہ السلام پر فائز ہونے کے باوجود ''قم باذن اللہ'' کہنے سے احتراز کرے۔

(اس فصل کے مندرجات طبقات اکبری، منتخب التواریخ بدایونی اور ہدیہ مہدویہ سے ماخوذ ہیں۔ راجہ دلیپ رائے سے جو لڑائی ہوئی اس کی تفصیل بہت مدت پہلے امرتسر کے ایک اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ اغلب ہے کہ مضمون نگار نے کسی مہدوی کتاب سے اخذ کی ہوگی)

مولانا محمد زمان شاہ جہانپوری شہید نے اپنی کتاب ''ہدیہ مہدویہ'' میں بہت سے اور

مہدی کفریات بھی جمع کئے ہیں جو حضرات ان کفریات کی تردید معلوم کرنا چاہیں، وہ کتاب ’’ہدیہ مہدویہ‘‘ مطبوعہ کانپور (صفحات ۱۶ تا ۳۴) کی طرف رجوع کریں۔

۱۹…… حاجی محمد خراسانی

حاجی محمد کا تولد اور نشو ونما فراہ واقع خراسان میں ہوا۔ سید جونپوری کا مرید اور مسیحیت کا مدعی تھا۔ مہدویہ کی کتاب ’’شواہد الولایت‘‘ میں لکھا ہے کہ حضرت مہدی موعود (سید جونپوری) نے فرمایا کہ اکثر انبیاء اور اولوالعزم رسول دعا مانگا کرتے تھے کہ بار خدایا ہمیں امت محمدی میں پیدا کرکے مہدی (جونپوری) کے گروہ میں داخل فرما۔ چنانچہ دیوان مہدی میں جو ایک مہدی کا کلام ہے لکھا ہے۔

بل چه عالم که زآدم و موسیٰ　　زیحییٰ و خلیل از موسیٰ
بوده غایت بصحبتش هوسے　　هرچه هست از ولایت است ظهور
نقطۂ آن دائره مفضلاں　　شد متمنائے همه مرسلاں
خواستہ زحق هریکے ازاولین　　رب اجعلنی لمن الآخرین

سید جونپوری نے اپنے مریدوں کو بتایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سوا کسی کی یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ چونکہ حضرت عیسیٰ بن مریم امت محمدی اور میرے گروہ میں داخل ہیں۔ اس لئے وہ عنقریب آکر میری ملاقات سے شرف اندوز سعادت ہوں گے۔

معلوم نہیں کہ حضرت ابن مریم علیہ السلام نے آکر مہدی جونپوری سے ملاقات کی تھی یا نہیں۔ ہاں! مہدویہ کی ایک روایت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جونپوری کے داماد اور خلیفہ خوند میر سے ملنا ضرور مذکور ہے۔ چنانچہ مہدویہ کی کتاب ’’انصاف نامہ‘‘ کے اٹھارھویں باب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میاں خوند میر نے فرمایا کہ میں آج رات پوری توجہ سے بیٹھا تھا اور میراں جی (یعنی سید جونپوری) کو بچشم خود دیکھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا میراں جی! مہتر عیسیٰ کب آئیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ میں نے پوچھا آپ کے ساٹھ سال بعد آئیں گے۔ کہا نزدیک۔ پھر پوچھا آپ کے چالیس سال بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ میں نے دریافت کیا دس سال بعد آجائیں گے؟ کہا نزدیک۔ اس کے بعد ایک طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ دیکھو! مہتر عیسیٰ حاضر ہیں۔ خود ان سے پوچھ لو۔ میاں خوند میر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور آپ سے بہت سی باتیں دریافت کیں۔ لیکن یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ کب تشریف لائیں گے۔

ظاہر ہے کہ وہ شخص جس سے خوند میر نے ملاقات کر کے باتیں دریافت کیں وہ یقیناً کوئی ابلیس زادہ ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی شان اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ دنیا میں نازل ہو کر جھوٹے مدعیوں کی امت سے ملاقاتیں کریں۔ شیاطین اس قسم کے مخاطبہ و مکالمہ سے بہتیرے نمائشی راہ روان منزل تقدیس کو چکمے دیتے رہتے ہیں۔ کسی ریاکار عابد نے ایک دفعہ کسی معبود نما شیطان کا جلوہ لیا تو بس وہ ہمیشہ کے لئے شیطانی بھول بھلیوں میں پھنسا رہ گیا۔ غرض یہ کہ جس طرح مہدی ابلیس کا ساختہ پرداختہ تھا اسی طرح وہ عیسیٰ بھی جنود ابلیس میں سے تھا۔ جو خانہ ساز مہدی کا مشار الیہ تھا۔

پیروان جونپوری کی دوسری روایت میں ان کے مہدی نے کہا کہ عیسیٰ بن مریم میرے بعد ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ کتاب پنج فضائل میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ میراں جی (یعنی سید جونپوری) قضائے حاجت کے لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کے مرید حاجی محمد خراسانی نے ان سے پوچھا میراں جی! حضور تو تشریف لائے۔ عیسیٰ کب قدوم فرمائیں گے؟ اس سوال کا مبنیٰ وہ احادیث نبویہ ہیں جن میں مہدی علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا دمشق کے سفید مشرقی مینار پر نازل ہونا مذکور ہے۔ سید جونپوری نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے ظاہر ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جو عیسیٰ مہدی کی موت کے بعد ظاہر ہونے والا تھا نہ وہ عیسیٰ سچا تھا اور نہ وہ مہدی ہی منجانب اللہ تھا۔ جس نے ارشادات نبویہ کے خلاف ابن مریم کو اپنے پیچھے آنے والا ظاہر کیا۔ پنج فضائل میں ہے کہ جونہی مہدی موعود نے فرمایا کہ عیسیٰ، بندہ کے بعد ظاہر ہوں گے۔ حاجی محمد خراسانی کو حضرت عیسیٰ روح اللہ کا مقام حاصل ہو گیا۔ حالانکہ ارشادات نبویہ میں خود ذات بابرکات حضرت ابن مریم علیہ السلام کا نزول اجلال مذکور ہے نہ یہ کہ ان کی بجائے کوئی دوسرا ان کا مزعومہ مقام حاصل کر کے اغوائے خلق کا باعث ہے۔

پھر بھی انصاف سے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ حاجی خراسانی ہمارے قادیانی مسیح موعود سے پھر بھی مزے میں رہا۔ اس کو بے تکلف مقام مسیحیت حاصل ہو گیا۔ حالانکہ غلام احمد قادیانی کو عیسیٰ بن مریم بننے کے لئے بڑی جانکاہ حالتوں سے گزرنا پڑا تھا۔ مثلاً غلام احمد پہلے مرد سے عورت بنا۔ پھر حاملہ ہوا۔ پھر دس مہینے کے بعد اس حمل سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس پیدائش کے بعد مریم تو کہیں غائب اور مفقود ہو گئی اور لڑکا جو متولد ہوا وہ عیسیٰ بن مریم بن گیا۔ اس طرح غلام احمد قادیانی عیسیٰ بن مریم بنا۔ غرض قادیانی کو عیسیٰ بن مریم بننے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ لیکن حاجی خراسانی کا کمال یہ تھا کہ وہ جست میں عیسوی مقام پر پہنچ گیا۔

فرقہ مہدویہ کی کتاب پنج فضائل میں مذکور ہے کہ مقام عیسوی پر پہنچ جانے کے باوجود حاجی محمد خراسانی کو اپنے پیر و مرشد کی زندگی میں دعوائے مسیحیت کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ جونپوری کی رحلت کے بعد سندھ میں نگر ٹھٹھہ کی طرف جا کر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ حالانکہ سچے مسیح موعود علیہ السلام، حضرت مہدی علیہ السلام کے عہد عروج میں بذات خود جسد عنصری کے ساتھ دمشق کے شرقی مینار پر نازل ہوں گے۔ بہرحال جب خراسانی نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو یہ امر جونپوری کے فرزند و جانشین سید محمود پر سخت شاق گذرا۔

سید محمود نے دیکھا کہ اس کے باپ کا ایک معمولی مرید جھوٹے دعوے کی بدولت بام رفعت پر پہنچنے والا ہے تو اس کے دل میں اپنی دکانداری کے ماند پڑنے کے خدشہ سے حسد پیدا ہوا۔ اس بناء پر اپنے دو خاص مرید خراسانی کے قتل پر مامور کئے۔ اس اثناء میں جب سندھ کے غیور حکمران کو معلوم ہوا کہ جونپوری کا ایک نام لیوا دعوائے مسیحیت کے ساتھ خلق خدا کو گمراہ کر رہا ہے تو اس نے خراسانی کو زیر حراست کرنے کا حکم دیا۔ آخر اس کا سر قلم کر کے عبرت روزگار بننے کے لئے شہر کی عام گزرگاہ پر لٹکا دیا گیا۔ جب ان دو آدمیوں کو جو خراسانی کے قتل پر متعین ہوئے تھے معلوم ہوا کہ حاجی خراسانی مارا گیا ہے تو وہ سید محمود کے پاس واپس آ گئے۔ شاہ دلاور مہدوی نے خراسانی کے قتل کی خبر سن کر بشارت دی کہ وہ ایمان سلامت لے گیا۔ غرغرہ کے وقت اس کی توبہ قبول ہو گئی اور سید محمود کو اس کی ہلاکت کی اطلاع ہوئی تو بولا کہ حاجی محمد نے مہدی علیہ السلام یعنی جونپوری کی تصدیق کی تھی۔ اس لئے ضائع نہ ہوا۔ (ہدیہ مہدویہ)

خوفناک انجام کا دھڑکا

اسلامی سلطنتوں میں تقدس کے دکانداروں سے یہی سلوک ہوتا رہا ہے جو خراسانی سے کیا گیا۔ اسی خوفناک انجام کے پیش نظر ہمارے قادیانی کو نہ تو حج کے لئے کبھی مکہ معظمہ جانے کی جرأت ہوئی اور نہ امیر عبدالرحمٰن والئی افغانستان کی دعوت پر کابل کا رخ کیا۔ غلام احمد نے امیر صاحب کو لکھ بھیجا تھا۔ میں مرسل یزدانی، مسیح زمان اور مہدی دوران ہوں۔ مجھ پر ایمان لا کر مجھ سے تعاون کرو۔ امیر صاحب نے اس کے جواب میں مرزا قادیانی کو لکھ بھیجا تھا کہ آپ بے کھٹکا افغانستان چلے آیئے۔ اگر کتاب و سنت کی روشنی میں آپ کے دعووں میں صداقت ہوئی تو نہ صرف میں خود بلکہ میری تمام رعایا بھی آپ کی پیروی کرے گی۔ لیکن باطل کی مجال نہیں تھی کہ ایک اسلامی قلمرو میں قدم رکھنے کا خطرہ گوارا کرتا۔

معلوم ہوا کہ کتاب "ہدیہ مہدویہ" کے صفحات ۱۷۲، ۱۷۳ پر مدعی مسیحیت کا نام شیخ محمد

خراسانی اور صفحات ۲۴۴، ۲۴۵ پر حاجی محمد فرہی لکھا ہے۔ بظاہر دو جداگانہ ہستیاں معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ فراہ یا فرہ خراسان ہی کا ایک شہر ہے۔ اس لئے شیخ محمد خراسانی اور حاجی محمد فرہی ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ معجم البلدان دیکھنا ہوگا۔

شیخ بھیک مہدوی

بعض ناواقف گمان کرتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی ہی وہ شخص ہے جس نے متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے خانہ ساز مسیحیت کی ڈفلی بجا کر خلق خدا کو گمراہ کیا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ قادیانی سے پہلے بھی متحدہ ہندوستان میں متعدد مسیحان کذب شعار گذر چکے ہیں۔ جن میں قادیانی آخری ہے۔ مخبر صادق ﷺ کی پیش گوئیوں میں مذکور ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح علیہ السلام دمشق کے سفید شرقی مینار پر نزول فرمائیں گے۔ چونکہ مہدوی لوگ جونپوری کو سچا مہدی یقین کرتے تھے۔ اس لئے وہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ تھے۔ لیکن ان کے خلاف توقع مسیح علیہ السلام قدوم فرما نہ ہوئے۔ کیونکہ ان کی تشریف آوری تو سچے مہدی کے ظہور سے وابستہ ہے۔

آخر جونپوری کے مریدوں میں ایک شخص جس کو شیخ بھیک کہتے تھے۔ مسیح موعود بن بیٹھا۔ جونپوری کے پیرو جونپوری کو ''میراں جی'' کہتے تھے۔ اس دعوے کے بعد جب شیخ بھیک، میراں جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا تجھ کو عیسیٰ کس نے بنایا؟ کہنے لگا اسی نے جس نے آپ کو منصب مہدویت بخشا۔ میاں جی نے کہا تو جھوٹا مسیح ہے۔ کیونکہ تیری ماں تو فلانی تھی۔ آنے والے مسیح علیہ السلام تو جناب مریم طاہرہ کے فرزند ہوں گے اور ڈانٹ کر کہا اگر تو دوبارہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔

اس وقت تو شیخ بھیک پر اس وعظ و تلقین کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن چند روز کے بعد خود ہی اس دعویٰ سے تائب ہو گیا۔ میراں جی نے کہا آپ بالائے آسمان سے کس طرح اتر آئے؟ پھر خود ہی کہہ دیا کہ ہاں یہ بھی ایک مقام تھا۔ (ہدیہ مہدویہ)

ابراہیم بزلہ مہدوی

مہدویہ کی کتاب ''انصاف نامہ'' میں لکھا ہے کہ جونپوری کے مریدوں میں ابراہیم بزلہ نے بھی عیسیٰ بن مریم ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اس سے بھی کہا تھا کہ تو جھوٹا مسیح ہے۔ کیونکہ سچے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ محترمہ کا نام مبارک مریم ہے اور تیرے ماں باپ فلانے ہیں۔

(ہدویہ مہدویہ ص ۱۷۳)

معلوم نہیں کہ میاں بزلہ اس کے بعد تائب ہوکر سنبھل گیا یا قادیانی مرزے کی طرح برابر اپنی عفونت فشاں مسیحیت سے فضائے عالم کو مکدر کرتا رہا۔

موقع کی رعایت سے یہاں سچے مسیح موعود علیہ السلام کی تشریف آوری سے متعلق حضرت سرور انام ﷺ کے چند ارشادات گرامی سپرد قرطاس کئے جاتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو بسہولت معلوم ہوسکے کہ ان مدعیان مسیحیت کے دعوؤں میں صداقت کا کہاں تک کوئی شائبہ تھا۔

احادیث نزول مسیح بن مریم علیہ السلام

۱…… **”عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ ليهلك الله فى زمان المسيح ابن مريم الملل كلها الا الاسلام** (رواه احمد ج۲ ص۴۳۷، وابوداؤد ج۲ ص۱۳۵، قال ابن حجر فى الفتح حديث صحيح)“ ﴿حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کے زمانے میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو معدوم کردے گا۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا اور علامہ حضرت ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔﴾

۲…… حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ابن مریم حاکم عادل ہوکر تم میں اتریں گے۔ پھر صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو ہلاک یعنے معدوم کردیں گے اور جزیہ کو اٹھادیں گے اور مال کی بڑی کثرت ہوگی۔ یہاں تک کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے گا۔ لوگوں کو عبادت اور توجہ الی اللہ سے اس قدر شغف ہوگا کہ لوگوں کو ایک ایک سجدہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے زیادہ محبوب ہوگا۔

(رواہ البخاری ج۱ ص۴۹۰، مسلم ج۱ ص۸۷ وابوداؤد والترمذی)

۳…… حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! ابن مریم حاکم عادل کی حیثیت سے تم میں نازل ہوں گے۔ پس صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو ہلاک کر ڈالیں گے اور جزیہ کو برطرف کردیں گے۔ جوان اونٹنیاں چھوٹی پھریں گی۔ ان پر کوئی سواری نہ کرے گا۔ لوگوں کے دلوں سے کینہ اور حسد وبغض جاتا رہے گا۔ لوگوں کو مال وزر کی طرف بلائیں گے۔ لیکن کوئی قبول نہ کرے گا۔ (رواہ مسلم)

۴…… نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دجال ان اشغال واعمال میں مصروف ہوگا کہ خدائے برتر ناگہاں مسیح ابن مریم کو مبعوث فرمائے گا۔ وہ سفید مینار کے پاس جو دمشق کے مشرق میں واقع ہے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے

اتریں گے۔ جب اپنا سر اٹھائیں گے تو بالوں سے موتیوں کی مانند نقرئی رنگ کے قطرے گریں گے۔ کوئی کافر ایسا نہ ہوگا کہ جسے ان کے سانس کی بھاپ لگے گی اور وہ ہلاک نہ ہو جائے گا۔ ان کی سانس منتہائے بسر تک پہنچے گی۔ اس کے بعد حضرت مسیح دجال کو تلاش کریں گے اور اسے باب لد[۱] میں قتل کر دیں گے۔ (رواہ مسلم)

۵...... حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا مجھے اسی ذات پاک کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ابن مریم فج الروحاء سے (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ نووی) حج کا احرام باندھے ہوئے گزریں گے (یعنی شام سے آتے ہوئے۔ رواہ مسلم) لیکن راوی کو شک ہے اسے یاد نہیں رہا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حج کا احرام بتایا تھا یا عمرہ کا یا قران کریں گے۔ **حاجاً اور معتمراً اولیثنینھما!**

(رواہ مسلم ج ۱ ص ۴۰۸، مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۳، ابوبکر بن ابی شیبہ اخرج احمد وابن جریر وابن عساکر مثلہ عنہ)

۶...... حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تمہاری کیسی (خوشگوار) حالت ہوگی جب کہ ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ (رواہ البخاری و مسلم) ”تمہارا امام“ اس سے مراد مہدی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔

۷...... حضرت جابر انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے قیامت تک کوئی نہ کوئی جماعت حق پر قتال کرتی رہے گی۔ پھر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا حاکم ان سے کہے گا۔ آیئے ہمیں نماز پڑھایئے۔ حضرت مسیح فرمائیں گے: نہیں! تم ہی نماز پڑھاؤ کہ خدا نے اس امت کو بڑا شرف بخشا ہے۔ (رواہ مسلم)

۴۰...... بایزید جالندھری

بایزید روشن مشرقی پنجاب میں بمقام جالندھر ۹۳۱ھ میں پیدا ہوا۔ نبوت کا مدعی تھا۔ اس کا قول تھا کہ جبرئیل امین میرے پاس رب العالمین کی طرف سے پیغام لاتے ہیں اور میں خالق کون و مکان کو اپنی ان دو آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور بلا توسط جبرئیل علیہ السلام بھی خداوند عالم سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہوں۔ لیکن یہ بایزید کی غلط فہمی تھی۔ وہ واقعی اپنی دو آنکھوں سے کسی نہایت حسین

---

[۱] ”لد ایک جنکشن ہے۔ یہاں سے قادیان کے لئے گاڑی بدل جاتی ہے۔ یہ وہ مقام لد ہے جس کی نسبت ہمارے مخالف الرائے مسلمان کہتے ہیں کہ مسیح دجال کو باب لد پر قتل کرے گا۔“ (الفضل قادیان مورخہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۳۳ء)

وجمیل نورانی ہستی کو دیکھتا ہوگا۔ لیکن جس نورانی ہستی کو وہ از جہالت وکوری خدائے برتر گمان کرتا تھا اور اس سے بالمشافہ گفتگو ہوتی تھی وہ شیطان تھا۔ کوئی بشر خواہ وہ خدائے برگزیدہ انبیاء ورسل ہی کیوں نہ تھے خدائے واحد کو دار دنیا میں برائے العین نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ جنت میں اہل ایمان کو جو آنکھیں عطاء ہوں گی ان میں یہ صلاحیت ہوگی کہ خدائے بے کیف کو دیکھیں۔

بایزید نے اپنا لقب "روشن" پیر رکھا تھا اور اپنے دام افتادوں سے کہا تھا کہ مجھے غیب سے ندا ہوتی ہے کہ تمہیں سب لوگ روشن پیر کہا کریں۔ چنانچہ اس کے پیرو اسے ہمیشہ اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔ گو عامۃ العالمین میں وہ تاریک پیر کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ بایزید صاحب تصانیف تھا۔ عربی، فارسی، ہندی اور پشتو چار زبانوں میں کئی ایک کتابیں لکھیں۔ اس کی ایک کتاب "خیر البیان" ہے جسے چاروں مذکور زبانوں میں تالیف کیا تھا۔ کہتا تھا کہ خیر البیان کلام الٰہی ہے۔ اس میں صرف وہ باتیں ہیں جو رب العالمین نے مجھ سے بالمشافہ کہیں۔

بایزید کلام الٰہی کے حقائق ومعارف بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور دلوں پر اس کے تبحر علمی کا سکہ جما ہوا تھا۔ اس کے دعوائے نبوت سے پہلے مرزا محمد حکیم خلف ہمایوں بادشاہ صوبہ دار کابل نے اپنے دربار میں کسی مسئلہ پر علمائے کابل سے اس کا مناظرہ کرایا۔ علمائے کابل مسائل فقہ پر پوری طرح حاوی تھے۔ اس لئے وہ اپنی فقہی روایات لے کر مقابلہ کو آئے۔ مگر بایزید کے مقابلہ میں محض روایات ومنقولات سے کام نہیں چلتا تھا۔ علماء نے شکست کھائی اور صوبہ دار اس کی خوبی تقریر، مسجع گوئی، شستہ بیانی اور زور کلام کی بناء پر اس کا معتقد اور گرویدہ ہوگیا۔

بایزید کو مناظرہ ومجادلہ اور منطقی موشگافیوں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ علم جدل نے اس کے دل ودماغ میں غرور وپندار کے کیڑے بھر دیئے تھے۔ اس لئے زمانہ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ ایسے لوگوں سے توفیق الٰہی مسلوب ہو جاتی ہے اور خدائے غیور وبے نیاز انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ وہ حرماں نصیب ہیں جنہیں شیاطین اپنی کٹھ پتلی بنا کر ہر قسم کا ناچ نچاتے ہیں اور اغوائے خلق کی سرگرمیوں میں جس طرح چاہتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ شیاطین کو نورانی شکلوں میں دیکھ کر انہیں خدائے برتر یقین کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہر حکم کے سامنے بلا تامل گردن ڈال دیتے ہیں۔

اگر بایزید ان آوازوں کو جن میں اسے منصب نبوت پر فائز ہونے کا مژدہ سنایا جاتا تھا۔ کتاب وسنت اور مسلک سلف صالح کے معیار پر پرکھنے کی زحمت گوارا کرتا یا کم از کم اس پر کسی متبع سنت پیر طریقت کا ظل عاطفت سایہ افگن ہوتا تو معاً بھانپ جاتا کہ یہ سب اغوائے شیطانی

ہے۔ لیکن چونکہ عجب وغرور کی پاداش میں توفیق الٰہی اٹھ چکی تھی۔ دوسرے قادیانی مرزے کی طرح قطعاً بے مرشد تھا۔ اس بناء پر شیاطین کی نورانی شکلوں کو رب العالمین اور ان کی آوازوں کو خدائی مکالمہ ومخاطبہ گمان کر کے ضلالت کے اسفل السافلین میں جا گرا اور دعوائے نبوت کر کے ہمہ تن اغوائے خلق میں منہمک ہوا۔

کچھ مدت کے بعد پشاور کی طرف گیا اور غوریا خیل پٹھانوں میں جا کر رہنے لگا۔ چونکہ اس علاقہ میں علماء عنقا کا حکم رکھتے تھے۔ مزاحمت وتردید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے نبوت کی دکانداری میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اس سرزمین میں بلاشرکت غیرے پیشوائی کا تاج وتخت حاصل کر لیا اور قریب قریب ساری قوم خیل اس کی مطیع ہوگئی۔ پھر ہشت نگر میں گیا۔ یہاں بھی اس کی دکان خدع خوب چلی۔ مگر جب اس کے دعوائے نبوت کا شہرہ ہوتا تو علماء مباحثہ کے لئے امنڈ آئے۔ ایک عالم متبحر اخوند درویزہ سے اس کا مناظرہ ہوا۔ چونکہ ختم نبوت کے مسئلہ میں کوئی منطقی الجھنیں نہیں تھیں۔ اس وجہ سے بایزید مغلوب ہوگیا۔ مگر اس کے پیرو ہمارے ہاں کے گم کردگان راہ مرزائیوں کی طرح ایسے خوش اعتقاد تھے کہ اخوند دریزہ کی تمام تر مساعی رائیگاں گئیں اور مرتدین میں سے کوئی بھی تائب نہ ہوا۔

جب بایزید کے دعوائے نبوت اور مذہبی غارت گری کا حال محسن خاں نے سنا جو اکبر بادشاہ کا صوبہ دار ہونے کے باوجود ایک دیندار حکمران تھا تو وہ بہ نفس نفیس ہشت نگر آیا اور اسے گرفتار کر کے کابل لے گیا۔ مدت تک کابل میں فقدان بلا کی مشقتیں سہتا رہا۔ آخر کسی حیلہ سے رہا ہو کر ہشت نگر واپس آیا اور اپنے تمام پیروؤں کو جمع کر کے طوطی کے پہاڑوں میں گھس گیا۔ کچھ مدت تک مورچہ بندیوں میں مصروف رہا۔ وہاں سے سیاحت کا حیلہ کر کے تیراہ آیا اور وعظ وتذکیر کے فسوں پھونک کر آفریدی اور اورکزئی پٹھانوں کو بھی اپنے دام تزویر میں پھانس لیا۔ آزاد سرحدی قبائل کے دلوں میں اس کی عقیدت کی گرمی اس شدت سے دوڑنے لگی۔ جس طرح خون رگوں میں دوڑتا ہے۔

سرحدی عقیدت مندوں کے دل مسخر کرنے کے بعد بایزید، اکبر بادشاہ کی اطاعت سے خارج ہو کر اس کا حریف مقابل بن گیا اور کھلم کھلا علم ستیزہ کاری بلند کر دیا۔ باوجودیکہ بایزید الحاد وبے دینی میں اکبر کا مثنی تھا تاہم وہ بے پناہ پروپیگنڈا کر رہا تھا کہ اکبر بادشاہ سخت بے دین ہے اور اس کی اطاعت ہر مسلمان پر حرام ہے۔ اس نشریہ کا یہ اثر ہوا کہ اکثر سرحدی قبائل اکبر اکفر سے منحرف ہوگئے۔ بادشاہ کو بایزید کی مخالفانہ سرگرمیوں کا علم ہوا تو اس نے ایک لشکر جرار اس کی سرکوبی

کے لئے روانہ کیا۔ لیکن شاہی لشکر خود ہی سرکوب ہو کر بھاگ آیا۔ اس فتح سے بایزید کے حوصلے اور بڑھے اور اس کی نظر میں شاہی افواج کی کوئی حقیقت نہ رہی۔

کچھ مدت کے بعد اکبر نے بایزید کے خلاف ایک فوج گراں روانہ کی اور صوبہ دار کابل کو بھی کابل کی طرف سے یورش کرنے کا حکم دیا۔ محسن خاں صوبہ دار کابل بایزید پر چڑھ آیا اور ادھر سے شاہی فوج نے اس پر یورش کی بایزید دو طرفہ فوجوں کے مقابلہ سے عہدہ برآ نہ ہو سکا اور شکست فاش ہوئی اور اس نے ہشت نگر کی طرف بھاگ کر جان بچائی۔ اب بایزید از سر نو فراہمی لشکر میں مشغول ہوا۔ لیکن اس اثناء میں موت کا فرشتہ پیام اجل لے کر آ پہنچا۔ افغانستان کے سلسلۂ کوہ میں بھتہ پور کی پہاڑی پر اس کی قبر ہے۔

معلوم نہیں کہ بایزید نے کس سال دعوائے نبوت کیا اور کس سال مرا۔ تاہم اس کی مدت نبوت واغواء بڑی طویل تھی۔ بایزید کے متصوفانہ اقوال جن کی بناء پر سادہ لوح ظاہر بین اس کو عارف باللہ اور خدا کا پیغمبر یقین کرتے تھے۔ اس کی کتاب ''حال نامہ'' میں درج ہیں۔ اس کتاب کے کچھ اقتباس کتاب ائمہ تلبیس صفحات ۳۵۹ تا ۳۶۱ میں ملاحظہ ہوں۔

بایزید کے بعد اس کا بیٹا شیخ عمر باپ کا جانشین ہوا۔ پیر روشن کے تمام پیرو اس کے پاس جمع ہو گئے۔ یوسف زئی قبیلہ کے پیشوا اخوند درویزہ تھے۔ اخوند درویزہ یوسف زئیوں کو ساتھ لے کر جھوٹے نبی کی امت پر چڑھ دوڑے۔ اس لڑائی میں شیخ عمر اور بایزید کا ایک اور بیٹا خیر الدین مارے گئے۔ اس کا ایک بیٹا جلال الدین قید ہوا اور سب سے چھوٹا بیٹا نورالدین ہشت نگر بھاگ گیا۔

جلال الدین قید سے رہا ہو کر فتح پور سیکری گیا اور اکبر بادشاہ سے ملاقات کی۔ اکبر اسے جلالہ کہا کرتا تھا۔ فتح پور سیکری سے واپس آ کر جلالہ نے کابل کا راستہ قطعاً مسدود کر دیا اور رہزنی شروع کر دی۔ اکبر نے ۹۹۴ھ میں اپنے مشہور سپہ سالار راجہ مان سنگھ کو جو اس کی ایک ہندو بیوی کا بھتیجا تھا چند دوسرے فوجی افسروں کی رفاقت میں اس کے مقابلہ کو بھیجا۔ جلالہ کئی سال تک شاہی فوجوں سے برسر مقابلہ رہا۔ ان محاربات کی تفصیل ''اکبر نامہ اور منتخب التواریخ'' میں درج ہے۔ آخری معرکہ میں بایزید کا پانچواں بیٹا کمال الدین اسیر ہوا۔ اکبر نے تا دم واپسیں اسے قید رکھا۔ جلالہ کے بعد بایزید کا پوتا احداد بن عمر خلیفہ بنایا گیا۔ ہزارہا افغان اس کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ جہانگیر بادشاہ نے احداد کے خلاف ۱۰۳۵ھ میں ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ اسی لڑائی میں احداد مارا گیا۔ اس کے دام افتادہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کی سورت ''قل ھو اللہ احد'' احداد ہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔

اسد او کا بیٹا عبد القادر باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن یہ ترک مخالفت کر کے شاہ جہان بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور امرائے شاہ جہانی میں داخل ہو گیا۔ جلالہ کا ایک بیٹا الہ داد شاہ جہان بادشاہ کی طرف سے رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری سے سرفراز تھا۔ (دبستان مذاہب وغیرہ)

۲۱...... احمد بن عبد اللہ سلجماسی

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن محمد سلجماسی مغربی معروف بہ ابن ابی محلی مؤلف کتاب عذراء الوسائل و ہودج الرسائل مہدویت کا مدعی تھا۔ ۹۶۷ھ میں بمقام سلجماسہ جو ملک غرب میں پیدا ہوا۔ عنفوان شباب میں فارس گیا اور وہاں کے علماء سے اکتساب علوم کرتا رہا۔ پھر حج کر کے مصر گیا اور علمائے مصر سے علمی فیوض حاصل کیے۔ اس کے بعد اس نے حضرت مہدی منتظر علیہ السلام کے ظہور کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس میں ان کے اوصاف جمیلہ اور علامات مختصہ درج کیے۔ گو اس میں ضعیف روایتوں کی بھی خوب بھرمار کر رکھی تھی۔ تاہم کتاب من حیث المجموع مفید ثابت ہوئی۔

یہ تالیف گویا دعوائے مہدویت کی تمہید تھی۔ چنانچہ ۱۰۳۱ھ میں اس نے دعوائے مہدویت کر دیا۔ ہزارہا لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ اس شخص کا معمول تھا کہ رؤسائے قبائل اور عمائد بلاد کی طرف خطوط بھیج کر ان کو اعمال صالحہ بجا لانے اور سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا اور چٹھی کے اخیر میں لکھ دیتا کہ میں وہی مہدی منتظر ہوں۔ جس کے ظہور کی حضرت مخبر صادق نے پیش گوئی کر رکھی تھی جو میری متابعت کرے گا وہ مفلح وکامگار ہوگا اور جو کوئی متخلف رہے گا۔ قعر ہلاکت میں جا پڑے گا۔ یہ شخص اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کرتا تھا کہ تم لوگ پیغمبر ﷺ کے اصحاب سے افضل ہو۔ کیونکہ تم ایک باطل زمانہ میں نصرت حق کے لئے کھڑے ہوئے ہو اور صحابہ کرامؓ زمن حق میں تائید حق کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔

جب اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے امر معروف اور نہی عن المنکر کا وعظ شروع کیا۔ جس کے ضمن میں اپنے متبعین کو ملک گیری کی ترغیب دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اس قصور پر کہ اس کی پیروی سے احتراز کرتے تھے۔ اہل ایمان کی ایذا رسانی کا شیوہ اختیار کیا۔ بعضوں کو لوٹا اور اکثر کو جلاوطن کر دیا۔ جب کوئی کہتا کہ حسب ارشاد نبوی ﷺ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں تو جواب دیتا کہ میرا غیظ وغضب محض اللہ کے لئے ہے۔

ان ایام میں مراکش کی سرزمین سلطان زیدان کے زیر نگین تھی۔ جب زیدان کے عامل حاج میر نے اس کی روز افزوں چیرہ دستیاں مشاہدہ کیں تو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کو نکلا۔ ابن ابی محلی اس کے مقابلہ میں اپنے مریدوں کو لے کر نکلا۔ لڑائی ہوئی۔ جس میں حاج میر کو ہزیمت ہوئی۔ لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ ابن ابی محلی کے پیروؤں پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ غرض دلوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اس فتح کے بعد اس نے بلا مزاحمت سجلماسہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ہر طرح سے عدل وانصاف کا شیوہ اختیار کیا اور مظلوموں کی خوب دادرسی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا اس کو بہت چاہنے لگی۔

یہ حالت دیکھ کر اہل تلمسان اور راشدیہ کے وفد اس کو مبارکباد دینے آئے۔ ان وفود میں فقیہ علامہ ابوعثمان سعید جزائری معروف بہ قدورہ شارح بھی تھے۔ جب سلطان زیدان کو حاج میر کی ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن منصور معروف بہ زیدہ کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ درعہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے بعد ابن ابی محلی کی شوکت ثریا سے باتیں کرنے لگی۔ جب سلطان زیدان کے سپہ سالار یونس کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ سلطان سے کٹ کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ابن ابی محلی کے پاس چلا آیا اور اس کو سلطان کے اسرار و خفایا پر مطلع کرکے اس پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی اور اس کو یقین دلایا کہ سلطان کا مغلوب کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

مراکش پر قبضہ

یونس کی اس تحریک پر ابن ابی محلی لاؤ لشکر لے کر مراکش پر چڑھ گیا۔ سلطان زیدان ایک لشکر جرار لے کر مقابلے پر آیا۔ پرتگالی نصاریٰ نے سلطان زیدان کی کمک پر بلا طلب ایک دستہ فوج روانہ کیا لیکن سلطان کو اس بات پر غیرت آئی کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کفار سے مدد لے۔ تاہم سلطان نے اس احسان کے عوض میں پرتگالی قیدیوں کو رہا کر دیا اور تمام قیدیوں کو پرتگالی دستہ فوج کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اب لڑائی شروع ہوئی۔ ابن ابی محلی نے سلطان کو شکست دی اور اس نے شہر مراکش پر عمل دخل کر لیا۔ زیدان جان بچا کر ایک مقام برالعدوہ کی طرف بھاگ گیا۔

ایک عالم دین کا سلطان کو ملک واپس دلانا

کچھ مدت کے بعد سلطان زیدان ملک کے مشہور عالم فقیہ ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ

داوددی کے پاس گیا جو کوہ ورن میں مقیم تھے۔ فقیہ یحییٰ کے شاگردوں اور پیروؤں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ زیدان نے جا کر کہا آپ حضرات بحیثیت میری رعایا میں داخل ہیں۔ اب میں آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دشمن نے مجھے میری سلطنت سے بے دخل کر دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ فقیہ ابوزکریا یحییٰ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور ۸؍ رمضان ۱۰۲۲ھ کو اپنے متبعین کی معیت میں مراکش کی طرف کوچ کر دیا۔ علامہ ابوزکریا یحییٰ نے مراکش کے مضافات میں پہنچ کر موضع جبلیر میں قیام کیا اور دوسرے دن مراکش پر چڑھ دوڑے۔ ابن ابی محلی بھی مقابلے پر آیا۔ فقیہ کا لشکر اعداء کی صفوں میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اسے فنا کر کے رکھ دیا۔ غرض نسیم فتح فقیہ کے رایت کے میمون پر چلی۔ ابن ابی محلی کو ہزیمت ہوئی اور وہ میدان جانستان کی نذر رہا۔

جھوٹے مہدی کا سر شہر کے صدر دروازے پر

اب فقیہ ابوزکریا نے حکم دیا کہ ابن ابی محلی کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازے پر لٹکا دیں۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح اس کے دام افتادوں کے سر بھی کاٹ کاٹ کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دیئے گئے۔ اس کے بعد فقیہ صاحب مراکش کی سلطنت سلطان زیدان کے سپرد کر کے واپس آئے۔ ابن ابی محلی اور اس کے پیروؤں کے سر بارہ برس تک مراکش کے دروازوں پر لٹکے رہے۔ ابن ابی محلی کے باقی ماندہ پیرو کہتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے۔ بلکہ کچھ مدت کے لئے نظروں سے غائب ہوئے ہیں۔

تین سال تک برسر حکومت رہنے کی پیشین گوئی

شیخ یوسی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی اپنے استاذ ابن مبارک کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں اچانک یہ کہنا شروع کیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ استاد نے کہا احمد! مانا کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے۔ مگر یاد رکھو کہ اس اوج عروج کے بعد نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکو گے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی صوفیوں کی ایک خانقاہ میں گیا اور کہنا شروع کیا کہ میں سلطان ہوں۔ میں سلطان ہوں۔ ایک صاحب وجد حال صوفی صاحب اس کے جواب میں کہنے لگے کہ تین سال۔ تین سال، چوتھا نہیں۔ چنانچہ وہ تین ہی سال تک برسر حکومت رہا۔

زوال پذیر حکومت کے حصول کی دعا

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی مکہ معظمہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ لوگوں نے اس کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا۔ الٰہی! تو نے فرمایا ہے اور تیرا قول حق ہے۔ ”وتلك الايام نداولها بين الناس“ ﴿اور ہم ان ایام کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔﴾ جب یہ حالت ہے تو بار خدایا! تو مجھے دولت وحکومت دے۔ لوگوں میں سرفرازی بخش۔ ابن ابی محلی نے بارگاہ خداوندی میں زوال پذیر حکومت کی تو درخواست کی۔ لیکن حسن عاقبت کا سوال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ واہب العطایا نے اس کو دولت وحکومت سے تو چند روز سرفرازی بخشی لیکن حسن خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔

ابن ابی محلی صاحب تصانیف تھا۔ اس کی مشہور کتابیں یہ ہیں: (۱) منجنیق الصّخور فی الرد علیٰ اهل الفجور۔ (۲) وضاح۔ (۳) قسطاس۔ (۴) اصلیت۔ (۵) هورج۔ (۶) ابوعلی قسطلی کے رسالہ کا رد وغیرہ۔ (کتاب الاستقصاء لا خبار دول المغرب الاقصیٰ وکتاب اليواقيت الثمينه فی اعيان عالم المدينه تاليف محمد البشير ظافر الازهری)

۲۲...... مرزا علی محمد باب شیرازی

اگرچہ باطنیت مرتدانہ آزادیوں کا دروازہ کھول کر خود کتم عدم میں مستور ہوگئی۔ مگر اس کا زہریلا اثر بابیت اور مرزائیت کی شکل میں آج تک موجود ہے۔ بابیت کا بانی مرزا علی محمد باب ۱۲۳۵ھ کو شیراز میں متولد ہوا۔ علی محمد مہدی موعود ہونے کا مدعی تھا۔ اس نے یہ سوچ کر کہ ابتداء ہی سے اپنی مہدویت کی رٹ لگائی تو لوگ اس کے سننے کو تیار نہ ہوں گے۔ نہایت ہوشیاری سے ارادہ کیا کہ دعوائے مہدویت سے پہلے صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کا باب یعنی واسطہ اور ذریعہ بنوں۔ غلام احمد قادیانی بھی ایسا ہی کرتا رہا۔ جب وہ دیکھ لیتا کہ اس کے بندگان مسور پہلے دعوے کے متحمل ہوگئے تو ایک اور قدم اٹھا کر ان کے گلوں میں ایک اور دعویٰ کا طوق ڈال دیتا تھا۔

مرزا علی محمد ۱۲۶۰ھ میں جب کہ اس کی عمر پچیس برس کی تھی۔ شیراز آیا اور اپنے آپ کو باب (دروازہ) کے لقب سے متعارف کرانا شروع کیا۔ بابیت سے اس کی یہ مراد تھی کہ وہ حضرت مہدی علیہ السلام کے فیوض کا جو ہنوز پردۂ غیب میں مستور ہیں واسطہ وذریعہ ہے۔ تھوڑی

مدت کے بعد وہ مہدی ہونے کا مدعی ہوا۔ جو ذی علم لوگ آغاز کار میں اس پر ایمان لائے۔ ان کو اکناف ایران میں اپنے نشریہ کے لئے پھیلا دیا اور خاص خاص قاصدوں کو سلاطین عالم کے پاس بغرض دعوت روانہ کیا۔ شیعی علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کے قتل و تدمیر کا فتویٰ دیا۔ ملک میں علی محمد کے خلاف سخت برہمی پھیل گئی۔ حسین خان حاکم فارس نے باب کے سرگرم داعی ملا صادق مقدس کو کوڑے لگوائے اور ملا صادق مرزا علی محمد بارفروشی اور ملا علی اکبرستانی تینوں کی داڑھیاں منڈوا کر انہیں کوچہ و بازار میں تشہیر کیا۔ اس کے بعد حاکم فارس نے علماء کی صوابدید پر باب کو طلب کیا اور اس کو علماء کی موجودگی میں بڑی سرزنش کی۔ اس کے جواب میں علی محمد بھی سخت کلامی پر اتر آیا۔ حاکم نے پیادوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ لاتوں اور گھونسوں سے باب کی تواضع کرنے لگے اور اس کو بہت بڑا ذلیل کیا۔

جب شاہ ایران محمد شاہ کو باب کے دعوائے مہدویت اور اس کے روز افزوں حلقہ اثر کا علم ہوا تو اس نے شیعہ مذہب کے بڑے مجتہد سید یحییٰ دارابی کو حکم دیا کہ شیراز جا کر باب کے دعوے کی حقیقت معلوم کرے۔ یحییٰ دارابی نے شیراز پہنچ کر باب سے ملاقات کی اور اس کی باتیں سن کر اس کا گرویدہ ہو گیا اور حلقہ مریدین میں داخل ہو کر مختلف بلاد و امصار کی سیاحت شروع کر دی اور بڑے طمطراق سے بابی مذہب کی اشاعت کی۔ ان ایام میں شہر زنجان میں ملا محمد علی نام ایک شیعہ مجتہد کا طوطی بول رہا تھا۔ اس نے باب کی تحریریں پڑھیں تو اس پر غائبانہ ایمان لے آیا اور اسی دن بابیت کی دعوت دینے لگا۔ زنجان کے اکثر باشندے بابی ہو گئے۔

۲۱ رمضان کی رات کو بعض مخالف اس کے مکان میں گھس گئے اور دشنام دہی کے بعد باب کو بہت بری طرح زدوکوب کیا۔ اسی طرح اس کے پیرو بھی بری طرح مارے پیٹے گئے۔ اس لئے باب شیراز سے اصفہان چلا گیا۔ منوچہر خان حاکم اصفہان اس کا معتقد ہو گیا اور در پردہ اس کا مذہب قبول کر لیا۔ اب باب کھلے بندوں اہل اصفہان کو اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ تمام علماء اور حامیان مذہب نے مخالفت کی۔ اب بعض جوشیلے حامیان مذہب نے اس کی سرکوبی کا قصد کیا۔ باب کو معلوم ہوا تو وہ ایک سرائے میں چھپ گیا۔ لیکن منوچہر نے اس کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ منوچہر نے علمائے اصفہان کو ذلیل اور لاجواب کرانے کی کوشش میں ایک مجلس مناظرہ قائم کی۔

باوجودیکہ مباحثہ میں باب کا بری طرح ناطقہ بند ہوا اور وہ کسی بات کا جواب نہ دے سکا۔ تاہم منوچہر حاکم اصفہان کی خوش اعتقادی میں کچھ بھی فرق نہ آیا۔ چونکہ وہ علانیہ باب کی تائید نہیں کر سکتا تھا اور رعیت کا جوش برہم بڑھ رہا تھا۔ منوچہر نے غضب آلود عوام کی تسکین خاطر کے لئے ظاہر تو یہ حکم دیا کہ باب کو تہران بھیج دیا جائے گا۔ لیکن در پردہ اپنی خلوت خاص میں اس کو جگہ دی اور اسے کہہ دیا کہ آپ کو میرے مال و اسباب میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا حق ہے۔ لیکن چار مہینہ کے بعد منوچہر مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنی ساری جائیداد باب کے نام ہبہ کر دی تھی۔ منوچہر کی ہلاکت کے بعد اس کا بھتیجا مرزا گرگین خان حاکم اصفہان مقرر ہوا۔ گرگین خان نے منوچہر کے گھر میں باب کی موجودگی اور منوچہر کے اپنی ساری جائیداد باب کے نام ہبہ کر جانے کی کیفیت مرزا آقاسی وزیر اعظم کو تہران لکھ بھیجی۔ وزیر اعظم نے جواب دیا کہ باب کو منوچہر کی جائیداد کا ایک حبہ بھی نہ دیں اور اس کو بہ تبدیل ہیئت ماکول بھیج دیا جائے۔ باب ماکول میں پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ میں رکھا گیا۔ کچھ مدت کے بعد قلعہ چہریق میں پہنچا دیا گیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ علماء کے فتوؤں اور ہر قسم کے تشدد کے باوجود بابی فرقہ غیر معمولی ترقی کر رہا تھا۔ کیونکہ حق کے مقابلہ میں باطل بھی برابر نشوونما پاتا اور برگ و بار لاتا ہے۔

علمائے آذربائیجان نے بادشاہ اور دوسرے عمائد سلطنت کو تہران لکھ بھیجا کہ باب اور بابیوں پر غیر معمولی تشدد کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ لیکن انہوں نے مناسب خیال کیا کہ اسے علماء کے مقابلہ میں لاجواب کیا جائے۔ چنانچہ شاہ ایران نے اپنے ولی عہد ناصر الدین کو جو آذربائیجان کا گورنر تھا لکھ بھیجا کہ باب قلعہ چہریق سے بلوا کر علماء سے مناظرہ کرایا جائے۔ باب تبریز لایا گیا۔ دوسرے دن علمائے تبریز سے مناظرہ ہوا۔

جب علماء سے گفتگو ہوئی تو یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا کہ وہ عربی کی صرف و نحو تک نہیں جانتا۔ ولی عہد ناصر الدین نے باب سے کہا کہ اس جہالت و کوری کے باوجود تم صاحب الامر مہدی علیہ السلام بنے پھرتے ہو۔ میں تمہارے قتل کا حکم تو نہیں دیتا۔ البتہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم صاحب الامر ہونے کے دعوے میں جھوٹے ہو۔ تنبیہ و تادیب ضروری ہے۔ یہ کہہ کر پیادوں کو اشارہ کیا۔ معاً مار پڑنے لگی۔ باب جان بچانے کے لئے چلا اٹھا۔ توبہ کردم، توبہ کردم۔ جب اچھی طرح سے مرمت ہو چکی تو اس کو دوبارہ قلعہ چہریق میں بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد بابیوں نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے اور مسلح بغاوتیں شروع کر دیں۔ جن کی تفصیل قارئین کرام کو کتاب ائمہ تلبیس (صفحات ۳۸۷ تا ۳۹۴) ملے گی۔ اس وقت محمد شاہ والی ایران دنیائے فانی سے رخصت ہو چکا تھا اور ناصر الدین شاہ نیا اورنگ نشین سلطنت ہوا تھا۔ چونکہ بابیوں نے ایران میں ہلچل ڈال رکھی تھی۔ اس لئے اعیان سلطنت نے فیصلہ کیا کہ باب کو نذرانہ مرگ بنا دینا چاہئے۔ جب تک وہ زندہ ہے ایران میں فضا پرسکون نہ ہو گی۔ اب باب قلعہ چہریق سے دوبارہ تبریز لاکر مجلس علماء میں حاضر کیا گیا۔ علماء نے بہتیرا سمجھایا کہ تم اپنے الحاد اور دعوائے مہدویت سے توبہ کر کے سیدھے راستے پر آ جاؤ۔ لیکن اس نے کسی کی ایک نہ سنی۔ کیونکہ ابلیسی کارندے اس کو وقتاً فوقتاً اپنی نورانی شکل و ہیئت میں جلوہ گر ہو کر یقین دلا جاتے تھے کہ تم وہی مہدی موعود جو جس کے ظاہر ہونے کی پیغمبر خدا ﷺ نے آج سے ہزار سال پہلے بشارت دی تھی۔ چنانچہ باب اپنے تئیں سچا مہدی گمان کرتا تھا۔ اس لئے کوئی ترغیب و ترہیب اس کے سامنے کارگر نہیں ہوتی تھی۔

حشمت الدولہ نے باب سے کہا تمہیں حامل وحی ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو دعا کرو کہ کوئی آیت نازل ہو۔ جس طرح غلام احمد قادیانی نہایت عیاری سے قرآن کی آیتوں کو اپنا کر اپنا کلام وحی بنا لیتا تھا۔ اسی طرح باب نے بھی یہی حرکت کی۔ جھٹ سورۂ نور کی ایک آیت کا ٹکڑا سورۂ ملک کی ایک آیت کے ٹکڑے سے ملا کر پڑھ دیا۔ حشمت الدولہ نے وہ کلمات لکھوا لئے۔ پھر باب سے پوچھا کہ کیا یہ وحی آسمانی ہے۔ بولا ہاں! حشمت الدولہ نے کہا کہ وحی مہبط وحی کے دل سے فراموش نہیں ہوتی۔ اگر فی الواقع یہ کلام وحی ہے تو ذرا دوبارہ پڑھ دو۔ مثل مشہور ہے کہ دروغگو را حافظہ نہ باشد! جب باب نے ان الفاظ کو دوبارہ پڑھا تو الفاظ میں ردوبدل اور تقدم و تاخر ہو گیا۔ حشمت الدولہ نے کہا یہ تمہارے جھوٹ اور جہل کی بیّن دلیل ہے۔ آخر اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔

۲۸ شعبان ۱۲۶۶ھ کا دن قتل کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے آقا محمد علی تبریزی کو اس غرض سے باندھا گیا کہ گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ اسے ہزار سمجھایا گیا کہ اگر جان عزیز ہے تو توبہ کر کے رہا ہو جاؤ۔ لیکن اس نے توبہ نہ کی اور کہنے لگا عشق حق سے توبہ کرنا بڑا گناہ ھے۔ محمد علی کے خویش و اقارب یہ کہہ کر حکام کی خوشامد کر رہے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اور دیوانے

کا قتل کسی طرح روا نہیں ہے۔ لیکن وہ ہر مرتبہ اپنے اقرباء کے بیان کی تردید کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں جوہر عقل سے پوری طرح آراستہ ہوں۔ مجھے جلد قتل کرو کہ قتل ہی سے حیات ابدی ملتی ہے۔ مگر محمد علی واقعی احمق تھا جو ایک مہدی کذاب کے پیچھے ہلاک ہونے میں حیات ابدی کا امیدوار تھا۔ محمد علی ایک ہی گولی سے ٹھنڈا ہو گیا۔

باب بھی باندھا گیا اور حمزہ مرزا گورنر آذربائیجان نے ارمن سپاہیوں کو جو عیسوی المذہب تھے حکم دیا کہ اس پر باڑھ مارو۔ یہ لوگ بابیوں کے من گھڑت قصوں سے متاثر تھے۔ انہوں نے گولیاں ہوا میں چلا دیں۔ باب حاضرین سے مخاطب کر کے کہنے لگا کیا تم میری کرامت دیکھتے ہو کہ گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی مگر میرے کوئی گولی نہیں لگی۔ ایک گولی اسی رسی کو جا لگی تھی جس سے باب باندھا ہوا تھا۔ اس سے وہ رسی ٹوٹ گئی۔ باب کھل کر بھاگا اور ایک سپاہی کی کوٹھری میں جا چھپا اور مکرر کہنا شروع کیا۔ لوگو! یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ کوئی گولی نہ لگی بلکہ میں الٹا رہا ہو گیا۔ اس وقت سینکڑوں غیر بابی جہلاء غل مچا رہے تھے کہ باب پر گولیوں کا اثر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے حاکم کے ایماء سے باب کو جا پکڑا اور چند گھونسے رسید کر کے گولی کا نشانہ بنا دیا۔

(مذاہب سلام بحوالہ ناسخ التواریخ)

۲۳...... ملا محمد علی بارفروشی

ملا محمد علی بارفروشی جسے بابی لوگ قدوس کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ مرزا علی محمد باب کا سب سے بڑا خلیفہ تھا۔ مقام قدوسیت اور رجعت رسول اللہ ﷺ کا مدعی تھا۔ رجعت رسول اللہ سے اس کی یہ مراد تھی کہ آنحضرت ﷺ از سر نو دنیا میں تشریف لا کر (معاذ اللہ) بارفروشی کے پیکر میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس بارہ میں غلام احمد قادیانی نے ملا بارفروشی کے چبائے ہوئے لقمے کو اپنے خوان الحاد کی زینت بنایا تھا۔ چنانچہ قادیانی نے ۵ نومبر ۱۹۰۱ء کے اشتہار میں لکھا کہ میں بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔ خدا نے "براہین احمدیہ" میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت کا ہی وجود قرار دیا۔ پس اس طرح آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ محمد کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔"

(تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۲۰، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۴۳۷)

مرزا جانی کاشانی کا بیان ہے کہ بارفروشی کے حق میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ حدیث ہے کہ جب سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو تو سمجھ لینا کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔ بابیوں نے قائمیت کا منصب دو شخصوں کو دے رکھا تھا۔ ایک مرزا علی محمد باب کو اور دوسرا ملا محمد علی بارفروشی کو۔ جن ایام میں مرزا علی محمد باب، ماکو اور چہریق میں نظر بند تھا، شاہی فوج کی طرف سے ایک تیر ملا محمد علی بارفروشی کے منہ پر آ لگا تھا۔ جس سے منہ کے دانت دانہ ہائے انار کی طرح الگ الگ ہو کر گر پڑے اور اس کا نصف چہرہ بری طرح مجروح ہو گیا۔ اس کے بعد دو سو بابیوں نے قلعہ طریہ کے نزدیک رات دن کی محنت ومشقت برداشت کر کے تھوڑے ہی دنوں میں ایک قلعہ تعمیر کر لیا اور گرد ونواح کی بے گناہ رعایا کو لوٹ لوٹ کر اس میں دو سال کا ازوقہ بھی جمع کر لیا۔ ایک موقعہ پر شاہی فوج نے اس قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ قلعہ میں بابیوں کے پاس دو سو سے زیادہ گھوڑے، پچاس گائیں اور قریباً چار سو بھیڑیں تھیں۔ محصورین رسد ختم ہونے کے بعد تمام جانور بھی کھا گئے۔ آخر چارپایوں کی طرح گھاس کھانی شروع کی۔

مرزا محمد حسین قمی اور بعض دوسرے بابیوں نے عالم اضطراب میں ملا محمد علی بارفروشی سے کہا کہ دعا فرمائیے کہ خدائے شدید العقاب کفار بدنہاد (شاہی لشکر) پر عذاب نازل کرے اور ہم بلاکشوں کو اس مصیبت سے نجات بخشے۔ بارفروشی کہنے لگا کہ جب خدا چاہتا ہے اپنے محبوبوں کے ساتھ شوخی کرتا ہے۔ اس لئے مشیت الٰہی پر راضی رہنا چاہئے۔ یہ جواب سن کر محمد حسین بابیوں کے بڑے بڑے دعووں کی قلعی کھل گئی اور وہ اپنے چند آدمیوں کو لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور لشکر شاہی کے قریب پہنچ کر کہنے لگا کہ بابی دعوے تو بڑے بڑے کرتے ہیں۔ لیکن عمل کسی پر نہیں۔ ان کے عقائد بھی باطنیوں کے سے تاویلی وتحریفی عقائد ہیں۔ مجھے ان کے کذب اور باطل پرستی کا یقین ہو گیا۔ اس لئے میں نے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ جب بابیوں کی زبونی وبدحالی انتہاء کو پہنچی تو ملا محمد علی بارفروشی نے شاہی لشکر کے سردار کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر ہمیں نکلنے کا راستہ دو تو ہم قلعہ خالی کر کے چلے جائیں۔ اس نے نکلنے کی اجازت دی۔ ملا محمد علی بارفروشی دو سو تین بابیوں کے ساتھ جو ہنوز زندہ تھے۔ قلعہ سے برآمد ہوا۔ تمام بابیوں کو طوق وسلاسل میں جکڑ کر قصبہ بارفروش میں لے گئے جو ملا محمد علی کا وطن تھا۔

بارفروش میں منادی کی گئی کہ ملا محمد علی باہر میدان میں نہنگ موت کے حوالے کیا جائے

گا۔ تماشائی ہر طرح سے امنڈ آئے۔ غضب ناک اہل شہر میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے محمد علی کے پاس پہنچ کر دو چار گھونسے نہ رسید کیے ہوں یا طمانچے مار مار کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا نہ کیا ہو۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ دیئے۔ مدارس کے طلبہ جوق در جوق آ کر اس کے منہ پر تھوکتے، گالیاں دیتے اور اینٹ پتھر پھینک رہے تھے۔ آخر ہزار ذلت ورسوائی کے بعد اس کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ اس کے بعد تمام دوسرے بابی بھی عفریت اجل کے حوالے کر دیئے گئے۔ جب علی محمد باب کو بارفروشی کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ لگاتار انیس شبانہ روز روتا رہا۔ اس مدت میں اس نے سد رمق سے زیادہ غذا بھی نہ کھائی۔ (نقطۃ الکاف ص۱۸۶ تا۲۰۸)

۲۴...... زرین تاج معروف بہ قرۃ العین

زرین تاج ایک اعجوبۂ روزگار عورت گزری ہے۔ اس کا باپ حاجی محمد صالح قزوین کا ایک مشہور شیعی عالم تھا۔ والد نے اس کو گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جب حدیث، تفسیر اور فقہ کے علاوہ الٰہیات وفلسفہ میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تو اس کی شادی ملا محمد کے ساتھ ہوگئی۔ جو مجتہد العصر ملا تقی کا فرزند اور جملہ علوم میں عالم متبحر ہونے کے ساتھ ایک جوان صالح تھا۔

میں یہ درس تو دریس کا سلسلہ تھا۔ لیکن وہ اس کی آڑ میں بابیت کی تبلیغ کرتی تھی۔ کربلا عراق میں ہے اور عراق ان ایام میں ترکی قلمرو میں داخل تھا۔ جب کربلا میں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا شہرہ ہوا اور کربلا کے ترک حاکم نے دیکھا کہ جو لوگ اس کے حلقہ درس میں شریک ہوتے ہیں وہ بابی ہوتے جا رہے ہیں تو حاکم نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کو کسی طرح اس کا علم ہوگیا۔ اس لئے نہایت مخفی طریق پر بغداد بھاگ گئی۔ وہاں پہنچ کر گورنر سے تبلیغ کی اجازت مانگی۔ گورنر نے کہا تم مسلمانوں کی متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنے آئی۔ تم فی الفور ترکی عملداری سے نکل جاؤ۔ وہ بغداد سے کرمان شاہ اور کرمان شاہ سے ہمدان گئی۔ اس سفر میں اس نے بہت لوگوں کو باب کا پیرو بنا دیا۔

مظہر فاطمہ ہونے کا دعویٰ

قرۃ العین سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مظہر ہونے کی دعویدار تھی۔ اسے بابیت میں اتنا غلو اور اتنا شغف تھا کہ غیر بابیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ وہ بابیوں کے سوا ہر کسی کو کافر اور ناپاک سمجھتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بازار کی پکی ہوئی چیزیں حرام

سمجھ کر نہیں کھاتی تھی۔ لیکن اس نے ان مزعومہ حرام و نجس چیزوں کے پاک کرنے کا ایک ڈھکوسلہ بھی بنا رکھا تھا۔ چنانچہ کہتی تھی کہ میری آنکھ حضرت سیدۃ النساء کی چشم مبارک کا حکم رکھتی ہے۔ میں جس نجس اور غیر مطہر چیز پر ایک نظر ڈال دوں وہ پاک وطیب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مطہرات یعنی پاک کرنے والی چیزوں میں آل اللہ کی نظر بھی داخل ہے۔ چنانچہ اپنے بابی معتقدین سے کہا کرتی تھی کہ کھانے کی جو چیز بازار سے خریدو، وہ میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اس پر نظر ڈالوں اور وہ حلال وطیب ہو جائے۔ (نقطۃ القاف)

شاعرہ کی حیثیت سے بھی ایران میں قرۃ العین کی بڑی شہرت تھی۔ پروفیسر براؤن کو اس کے دو ہی قصیدے مل سکے۔ تخلص طاہرہ تھا جو صاحب ان قصیدوں کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ کتاب ائمہ تلبیس (صفحات ۴۱۰ تا ۴۱۲) کی طرف رجوع کریں۔ یہ دونوں قصیدے اس نے اپنے مقتداء علی محمد باب کی حمد وثناء اور اشتیاق ملاقات میں کہے تھے۔ ان میں جو فصاحت وبلاغت، بلند خیالی اور شوکت الفاظ ہے وہ پڑھنے والوں سے خراج تحسین وصول کرے گی۔

قرۃ العین نے ارادہ کیا تھا کہ وہ تہران جا کر بذات خود محمد شاہ والئی ایران کو بابیت کی تبلیغ کرے۔ جب اس کے باپ حاجی ملا صالح کو اس کا علم ہوا تو وہ بڑی عجلت سے اس کے پاس پہنچا اور بیٹی کو اس خیال سے باز رکھ کر قزوین لے گیا۔ تھوڑے دن تو وہ امن وسکون سے رہی۔ لیکن پھر بابیت کی رٹ لگانی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خسر اور شوہر سے از سر نو چپقلش شروع ہوئی۔ خسر اس کا حقیقی چچا مجتہد العصر ملا محمد تقی تھا۔ اب اس نے فتویٰ دے دیا کہ ملا تقی اور ملا محمد دونوں کافر اور واجب القتل ہیں۔ کیونکہ جو کوئی تبلیغ حق میں مانع ہو اس کا خون حلال ہے۔ یہ فتویٰ سن کر بابیوں میں بڑی گرمجوشی پیدا ہوئی اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ملا تقی کو قعر ہلاکت میں ڈالے بغیر دم نہ لیں گے۔ ایک دن نماز فجر سے پہلے چند مسلح بابی مسجد میں جا کر چھپ رہے اور جیسے ہی قرۃ العین کے خسر ملا محمد تقی نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے، بابی کمین گاہ سے نکلے اور نرغہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور پھر جاں ستانی ہی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ ناک کان اور اعضاء وجوارح بالکل جدا کر دیئے اور شکل وصورت بالکل مسخ کر دی۔ قرۃ العین کے خلاف ہر طرف طوفان غضب امنڈ آیا۔ لوگ اس غرض سے ہتھیار باندھے پھرتے تھے کہ جہاں کہیں قرۃ العین ملے اسے قتل کر دیا جائے۔ اسے جب موقع ملا تو قرۃ العین قزوین سے بھاگی اور ایران کی سرحد سے نکل کر حدود خراسان میں داخل

ہوگئی۔ اس کے بعد وہ کس طرح بستر ہلاکت پر ڈالی گئی۔ اس میں مورخ مختلف البیان ہیں۔ چونکہ اس کی تشریح غیر ضروری ہے۔ اس لئے قلم انداز کردی گئی۔ (ایپی سوڈ آف دی باب ص ۴۵)

۴۵...... مرزا حسین علی نوری معروف بہ بہاء اللہ

مرزا حسین علی معروف بہ بہاء اللہ ۱۸۱۷ء میں موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا۔ اپنے سوتیلے بھائی مرزا یحییٰ معروف بہ صبح ازل سے قریباً تیرہ سال بڑا تھا۔ بہاء اللہ بھی ان چالیس بابیوں میں داخل تھا جو ناصر الدین شاہ ایران سے باب کے قتل کا انتقام لینے کی سازش کی تھی۔ خاص عازمین قتل تین بابی ملا فتح اللہ قمی، صادق زنجانی اور باقر نجف آبادی تھے۔ بتاریخ ۱۳؍ ذیقعدہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۵؍ ستمبر ۱۸۵۲ء شاہ شکار کے لئے سوار ہوا تو یہ تینوں شاہ کی طرف بڑھے۔ شاہ نے خیال کیا کہ شاید مظلوم و ستم رسیدہ اشخاص ہیں جو اپنی درخواست پیش کریں گے۔ اس لئے ان کو نزدیک آنے دیا۔ جب قریب پہنچے تو صادق زنجانی نے جیب سے پستول نکال کر شاہ پر چلا دیا۔ شاہ زخمی ہوا۔ لیکن بحالہ گھوڑے پر سوار رہا۔ یہ دیکھ کر فتح اللہ قمی نے جھپٹ کر شاہ کو گھوڑے سے کھینچا تاکہ زمین پر گرا کر گلا کاٹ دے۔ شاہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر شاہ کے ایک نوکر نے بڑھکر فتح اللہ کے منہ پر زور سے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ گر پڑا۔ اب ملازم نے میان میں سے تلوار نکالی اور صادق زنجانی کی گردن ماردی۔ اس اثناء میں دربار شاہی کا ایک منشی بھی پہنچ گیا اور شاہ کے جسم کی ڈھال بننے کے لئے اپنے آپ کو شاہ پر گرادیا۔ اتنے میں اور پیادے بھی پہنچ گئے اور انہوں نے زندہ حملہ آوروں کو گرفتار کرلیا۔ شاہ کو گولی کا جو زخم لگا وہ مہلک نہیں تھا۔

اس حادثہ کے بعد جب بابیوں کے خلاف داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا تو انہوں نے ایران کے ہر گوشہ سے نکل کر بغداد کا رخ کیا۔ بغداد میں کثیر التعداد بابی جمع ہوگئے۔ کربلا اور نجف کے شیعی علماء یہ دیکھ کر کہ بابی لوگ شیعی مشاہد مشترفہ کے قریب آجمع ہوئے ہیں۔ بابیوں کے قیام بغداد کی مخالفت کرنے لگے۔ حکومت ایران نے بھی اپنے استنبولی سفیر کو ہدایت کی کہ وہ دولت عثمانیہ سے درخواست کرے کہ بابیوں کو بغداد سے کسی دوسرے علاقے میں منتقل کردے۔ اس درخواست کے بموجب باب عالی نے بابیوں کو بغداد سے استنبول چلے جانے کا حکم دیا۔ یہ لوگ چار مہینے استنبول میں رہے۔ لیکن چونکہ بابی آج کل کے مرزائیوں کی طرح بڑے مفسد لوگ

تھے اور ان کا قیام امن عامہ کے لئے سخت مضر تھا۔ اس لئے تمام بابی رجب ۱۲۸۰ھ میں استنبول سے ادرنہ (اڈریانوپل) بھیج دیئے گئے۔ یہ لوگ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ تک یعنی پانچ سال سے زیادہ مدت ادرنہ میں رہے۔ ادرنہ میں صبح ازل اور بہاء اللہ میں جھگڑے قضیے برپا رہتے تھے۔ دونوں میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ وہی باب کا اصل جانشین ہے۔ جب نزاع نے خوفناک صورت اختیار کی اور یقین آمادۂ پیکار ہیں تو دولت عثمانیہ نے اس قضیہ میں پڑے بغیر کہ فریقین ہوا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے، بہاء اللہ اور اس کے پیروؤں کو عکہ علاقہ شام میں جا کر قیام کرنے کا حکم دیا اور صبح ازل اور اس کے متعلقین کو جزیرہ قبرص میں جو اس وقت ترکی عملداری میں تھا۔ جا کر ٹھہرنے کا حکم دیا۔ صبح ازل ۵ ستمبر ۱۸۶۸ء کو جزیرہ قبرص پہنچا۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

جب سچے مہدی حضرت محمد بن عبداللہ علیہ السلام مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں ظاہر ہوں گے تو ان کی فرمانروائی کے چند سال بعد خدا کے سچے مسیح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ مرزا علی محمد باب ایک جھوٹا مہدی تھا۔ جھوٹے مہدی کے ظہور کے بعد کسی جھوٹے مسیح کی آمد بھی مناسب وموزوں تھی۔ اس ضرورت کا احساس کر کے بہاء اللہ نے ایران چھوڑنے کے بعد، بغداد یا ادرنہ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ بہاء اللہ نے اپنی ایک وحی لکھی۔ ''**قل یاملأ الفرقان قداتیٰ الموعود الذی وعدتم فی الکتاب اتقوا اللہ ولا تتبعوا کل مشرك أثيم** (لوح مبارك ص ۷)'' ﴿کہہ دے کہ اے گروہ فرقان! بیشک وہ موعود آ گیا۔ جس کا تم سے آسمانی کتاب میں وعدہ کیا گیا تھا۔ خدا سے ڈرو اور کسی مشرک گنہگار کی پیروی نہ کرو۔﴾

اس الہام میں بہاء اللہ نے ہر مسلمان کو اپنی مسیحیت کی طرف بلایا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو جس خدا کے سچے مسیح کی آمد ثانی کا مژدہ سنایا گیا تھا وہ مسیح ناصری حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں جو قرآن کے رو سے اب تک زندہ موجود ہیں۔ ان کے سوا ہم ہر مدعی مسیحیت کو بہاء اللہ ہو یا غلام احمد ہو دجال کذاب یقین کرتے ہیں۔

سچے مسیح موعود کی نسبت خود بہاء اللہ کے فرزند و جانشین عبدالبہاء نے لکھا تھا۔ جب مسیح آئے گا تو نشانیاں اور فوق الفطرت معجزات شہادت دیں گے کہ سچا مسیح یہ ہے۔ مسیح نامعلوم شہر آسمان سے آئے گا۔ وہ فولاد کی تلوار کے ساتھ آئے گا اور لوہے کے عصا کے ساتھ حکومت کرے

گا۔ (یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام رعب وجلال کے ساتھ فرمانروائی کریں گے) وہ انبیاء کی شریعت کو پورا کرے گا۔ وہ مشرق ومغرب کو فتح کرے گا۔ (وہ شرق وغرب کے تمام لوگوں کے دل مسخر کر کے انجام کار ایک ملت یعنی دین اسلام پر جمع کر دیں گے) اور اپنے برگزیدہ لوگوں (مسلمانوں) کو عزت بخشے گا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا امن کا راج لائے گا کہ حیوان بھی انسانوں کے ساتھ دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے۔ بھیڑیا اور برہ ایک ہی چشمہ سے پانی پئیں گے اور خدا کی سب مخلوق امن سے رہے گی۔ (دور بہائی مطبوعہ دہلی ص۲) ظاہر ہے کہ یہ سب علامتیں جو عبدالبہاء نے بیان کی ہیں بہاء اللہ یا غلام احمد قادیانی یا کسی دوسرے خانہ ساز مسیح پر صادق نہیں آتیں۔ اس لئے یہ سب جھوٹے مسیح ہیں۔

بہاء اللہ نے نصاریٰ کو اپنی مسیحیت کی دعوت دیتے ہوئے لکھا تھا۔ اے پیروان مسیح! کیا میرا نام (بہاء اللہ) تمہارے نزدیک میری مسیحیت کے منافی ہے۔ تم کس بناء پر شک میں پڑے ہو۔ تم لوگ شب وروز اپنے قادر مطلق (یسوع مسیح) کو پکارا کرتے تھے۔ جب وہ ازلی آسمان سے کامل جلال کے ساتھ آ گیا ہے تو تم اس کے ساتھ نہیں پھٹکتے اور بے اعتنائی کے عالم میں پڑے ہو۔ (بہائی سکرپچرز مطبوعہ نیویارک ص۱۲۴) لیکن عیسائی لوگ اس دعوت کا بے تکلف یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہم تو خود ذات بابرکات حضرت یسوع مسیح کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی نقلی اور جعلی مسیح کی ضرورت نہیں ہے۔

پانچ خانہ ساز مسیح موعود

اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے حضرات پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہوگی کہ قادیان کے خود ساختہ مسیح موعود سے پہلے چار خانہ برانداز چمن (۱) حاجی محمد خراسانی۔ (۲) شیخ بھیک۔ (۳) ابراہیم بزلہ اور (۴) بہاء اللہ خانہ ساز مسیحیت کی مسند تزویر پر بیٹھ کر خلق خدا کو ورطۂ ہلاکت میں ڈال چکے تھے اور یہ کہ غلام احمد قادیانی ان کا پانچواں ضلالت کوش ہجولی تھا۔

خاتمہ

حکام کا فرض

اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کرام پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہوگی کہ تقدس کے جھوٹے دعویداروں کا وجود اسلام اور پیروان ملت حنفی کے حق میں کس درجہ زبون اور خطرناک

ہے۔ یہ طاعنہ نہ صرف اپنے متبعین کو مرتد کر کے ان کی کشتی ایمان کو غرق کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے کو نہ ماننے والے جرم ناآشنا مؤمنین کو بھی تہس نہس کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے اور محض اس قدر نہیں بلکہ اپنی اسلامی حکومت سے بغاوت کر کے اور سالہا سال تک حکمرانوں کو رزم وپیکار کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا رکھتے ہیں۔ اگر یہی جانی اور مالی طاقت جو دجالوں نے اپنے حکام کے مقابلہ میں خرچ کی اور وہ طاقت جو ان دجالوں کی مدافعت میں حکام کو صرف کرنی پڑی، وہ قوم کی فلاح وبہبود اور تعمیر وترقی کے کام آتی یا بیرونی اعدائے دین کے مقابلہ میں صرف ہوتی تو قوم اوج وعروج کی انتہائی منزلیں طے کر سکتی تھی۔

ان غداروں کی مار آستینی یہ رنگ لائی کہ اسلامی حکومتیں اغیار کے مقابلہ میں ہمیشہ پستی اور تنزلی کے گڑھے میں پڑی رہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ داخلی اعدائے ملت تمام بیرونی دشمنان دین سے بھی زیادہ خوفناک ہیں۔ کیونکہ مار آستین انسان کو جتنا نقصان پہنچا سکتا ہے بیرونی دشمن سے اس کا عشر عشیر بھی متصور نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ وہ حکام بھی دجالی شرور وفتن کے شیوع کے ایک بڑی حد تک ذمہ دار ہیں جنہوں نے ان فتنوں کو پنپنے کا موقع دیا اور قوت پکڑنے سے پہلے ہی ان کو مستاصل نہ کر دیا۔ جس پودے کی جڑیں ہنوز مضبوط نہ ہوئی ہوں اس کا اکھاڑ پھینکنا نہایت آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ مضبوط ومستحکم ہو جائے اور اس کی جڑیں دور دور تک پھیل جائیں تو اس کی بیخ کنی بہت مشکل ہے۔

پس مسلم حکمرانوں کا فرض ہے کہ جونہی کوئی بوالہوس کوئی دجالی دعویٰ کر کے فضا کو مکدر کرنا شروع کرے فوراً اس کو کچل کے رکھ دیں اور نہ صرف خدا کی کمزور مخلوق کو اس دست برد سے بروقت بچا لیں۔ بلکہ اپنے آپ کو بھی اس کی آئندہ مار آستینیوں سے محفوظ کر لیں۔

مادر مشفقہ پر مرتد بیٹے کا قاتلانہ حملہ

تقدس کے جھوٹے مدعی اور ان کے پیرو جو اسلام سے علاقہ توڑ کر کوئے ضلالت میں سرگشتہ وحیران ہوتے ہیں ان کے دل میں یہود ونصاریٰ سے بھی کہیں زیادہ اسلام اور اہل اسلام کی عداوت کا جذبہ موجزن رہتا ہے۔ یہاں ایک سیاہ دل قرمطی کا واقعہ لکھا جاتا ہے جس نے مرتد ہونے کے بعد اپنی واجب الاطاعت مادر مشفقہ پر محض اس قصور میں قاتلانہ حملہ کیا تھا کہ وہ دین حنیف کی پیرو تھی۔

حکیم ابوالحسین بغدادی کا بیان ہے کہ حسین بن زکرویہ قرمطی کی ہلاکت کے ایام میں ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے شانے پر بہت گہرا زخم ہے۔ اس کا علاج کیجئے۔ یہ عورت زاروقطار رو رہی تھی اور سخت غمزدہ تھی۔ میں نے پوچھا تمہارا کیا ماجرا ہے اور زخم کس طرح آیا ہے؟ بولی میرا ایک بیٹا بہت مدت سے مفقود تھا۔ میں نے اس کی تلاش میں دنیا بھر کی خاک چھانی اور بہت سے شہروں اور قصبوں میں پھری۔ لیکن کوئی کھوج نہ ملا۔ آخری مرتبہ شہر رقہ سے چلی تو راستہ میں قرمطی لشکر نظر آیا۔ میں لشکر میں جا کر دیکھ بھال کرنے لگی تو اتفاق سے وہیں مل گیا۔ میں نے خیر خیریت نہ بھیجنے کا شکوہ کرتے ہوئے اس کے خویش واقارب کے حالات بیان کرنے شروع کئے۔ وہ کہنے لگا ان قصوں کو جانے دو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کس دین پر ہو؟ میں نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم دین اسلام کے پیرو ہیں؟ بولا جس دین پر ہم پہلے تھے وہ باطل ہے۔ سچا دین وہ ہے جس کا میں آج کل پیرو ہوں یعنی قرمطی دین۔ یہ سن کر میرے ہوش اڑ گئے اور وہ مجھے استعجاب میں چھوڑ کر چل دیا۔

میں چند روز ایک ہاشمی خاتون کے پاس رہی جو قرمطیوں کی قید میں تھی۔ اس کے بعد بغداد واپس آنے لگی۔ جب تھوڑے فاصلے پر پہنچی تو میرا ناخلف بیٹا پیچھے سے دوڑتا آیا اور سخت بے رحمی اور شقاوت سے مجھ پر تلوار کا وار کیا۔ میں بری طرح مجروح ہوئی۔ اگر ساتھ والے دوڑ کر بچا نہ لیتے تو میری جان کی خیر نہ تھی۔ میں وہاں سے افتاں وخیزاں بحال تباہ بغداد پہنچی۔ ابھی حال میں جو قرمطی قیدی بغداد آئے ہیں میں نے اپنے ناہنجار بیٹے کو بھی دیکھا۔ وہ لمبی ٹوپی پہنے اونٹ پر سوار تھا۔ میں نے اس سے خطاب کر کے کہا خدا تیرا برا کرے اور اس قید محن سے تجھے کبھی مخلصی نہ دے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷۳)

سقوط بغداد پر قادیان میں چراغاں

اور دور نہ جائیے! غلام احمد قادیانی اور اس کی امت کو دیکھ لیجئے۔ ان کے باطن میں عداوت اسلام کا آتشکدہ کس شدت سے شعلہ زن ہے۔ جب یورپ کی پہلی عالمگیر جنگ میں فخر البلاد بغداد پر صلیب پرست انگریزوں کا قبضہ ہوا تو دنیا بھر کے اسلامی حلقوں میں ہر طرف صف ماتم بچھی تھی اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو سوگوار نہ ہو۔ لیکن مرزائی اس پر خوشیاں منا رہے تھے اور قادیان میں چراغاں ہو رہا تھا۔ قادیان کے اخبار الفضل نے لکھا: ”میں اپنے احمدی بھائیوں کو جو ہر بات میں غور اور فکر

کرنے کے عادی ہیں۔ ایک مژدہ سناتا ہوں کہ بصرہ اور بغداد کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ہماری محسن گورنمنٹ کے لئے فتوحات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس سے ہم احمدیوں کو معمولی خوشی نہیں ہوئی بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں برسوں کی خوشخبریاں جو الہامی کتابوں میں چھپی ہوئی تھیں آج ۱۳۳۵ھ میں ظاہر ہو کر ہمارے سامنے آ گئیں۔ اس بات سے غیر احمدی (یعنی مسلمان) ناراض ہوں گے۔ لیکن اگر غور کریں تو اس میں ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔" (الفضل مورخہ ۱۰؍اپریل ۱۹۱۷ء)

مسلمانوں سے کلی مفارقت اور قطع تعلق

غلام احمد قادیانی نے لکھا کہ: "تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعوائے اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا۔" (تحفہ گولڑویہ ص۱۸ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۶۴)

اور خلیفہ محمود احمد نے لکھا: "سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (غلام احمد قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔"

(آئینہ صداقت مؤلفہ خلیفہ محمود ص۳۵)

اور لکھا کہ: "ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی (یعنی غلام احمد قادیانی) کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔" (انوار خلافت مؤلفہ خلیفہ محمود ص۹۰)

قادیانی دل یگانوں کی مہر و محبت سے خالی

جب غلام احمد قادیانی نے اپنی خانہ زاد مسیحیت کا نغمہ چھیڑا تو ظاہری مفارقت و انقطاع کے ساتھ ہی اس کا دل یگانوں کی مہر و محبت سے یکسر خالی ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی بیاہتا بیوی محترمہ حرمت بی بی کی جو خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں اور اپنے فرزند مرزا فضل احمد کی نماز جنازہ تک نہ پڑھی خدائے برتر مسلمانوں کو تمام دجالوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین!

آج مورخہ ۲۶؍ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ، مطابق ۶؍جولائی ۱۹۵۶ء کو بروز جمعہ بمقام لاہور یہ کتاب بحمد اللہ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ ناچیز ابوالقاسم رفیق دلاوری!

✪ …… ☆ …… ✪